کیا عذابِ قبر کا عقیدہ
غیر اسلامی تصور ہے؟



مصنف

حضرت مولانا مفتی محمد شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی

(بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم، بنگلور)

شعبۂ تحقیق واشاعت

Jamia Islamia Maseehul Uloom, Bangalore

K.S. Halli, Post Kannur Village, Bidara Halli Hobli, Baglur Main Road, Bangalore - 562149

H.O # 84, Armstrong Road, Mohalla Baidwadi, Bharthi Nagar, Bangalore - 560 001

Mobile : 9916510036 / 9036701512 / 9036708149

فہرست کیا عذاب قبر کا عقیدہ غیر اسلامی تصور ہے؟

کیا عذاب قبر کا عقیدہ غیر اسلامی تصور ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کیا عذاب قبر کا عقیدہ غیر اسلامی تصور ہے؟

تمہید

۱۴۱۲ھ ماہ صفر المظفر کے پہلے ہفتہ میں "مجمع الفقه الاسلامی الهند" کی دعوت پر اس کی طرف سے منعقد چوتھے فقہی سمینار میں شرکت کے لیے ''دار العلوم سبیل السلام'' حیدر آباد حاضری ہوئی۔ وہاں گلبرگہ کے بعض احباب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے گلبرگہ میں بعض لوگوں کی طرف سے اُٹھائے ہوئے ایک فتنہ کا ذکر کیا کہ ایک صاحب نے ''شمع حقیقت'' نامی ایک کتاب مختلف موضوعات پر لکھی ہے، ان میں سے ایک موضوع ''عذاب قبر'' بھی ہے، مولف کتاب نے اس کتاب میں عذاب قبر کے عقیدے کو غلط اور غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ ان احباب نے مجھ سے اس عنوان پر کتاب وسنت کے دلائل سے کچھ لکھنے کی فرمائش کی، مگر اس وقت ان کے پاس وہ کتاب موجود نہ تھی، لہٰذا مجھے اس پر کچھ غور وفکر کا موقعہ نہ ملا۔

اس کے ایک ہفتہ بعد ''شمع حقیقت'' کے مصنف قاضی محمد علی صاحب خود میرے پاس تشریف لائے (اور اس سے قبل بھی وہ بنگلور آتے تو احقر ہی کے پاس قیام فرمایا کرتے تھے) اور انہوں نے احقر کو اپنی کتاب ''شمع حقیقت'' کا تحفہ پیش کیا، اس میں متعدد و مختلف عنوانات پر کہیں طویل اور کہیں قصیر مضامین ہیں اور عذاب قبر کے عنوان پر کل چار صفحات میں بحث کی گئی ہے۔

عذاب قبر کے عنوان کے تحت سب سے پہلے جس انداز سے اس مسئلہ کا تعارف مولف نے کرایا ہے وہ یوں ہے:

''قیامت سے پہلے اور قبر کے اندر جزا اور سزا کا تصور غیر اسلامی ہے۔''(۱)

---

(۱) شمع حقیقت: ۳۱۹

اور آگے چل کر ختم مضمون کے قریب وضاحت کی ہے کہ:

’’یہ غیر اسلامی عقائد کسی خاص مصلحت سے اسلامی بتائے گئے ہیں، یہ سب دراصل مجوسی اور ہندو عقائد ہیں۔‘‘(۱)

یہ پڑھنے کے بعد ایک جاننے والے مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ عذاب قبر کے اسلامی عقیدے کو دلائل و براہین سے ثابت کرے اور ’’شمع حقیقت‘‘ کے مولف کی ضلالت وگمراہی کا پردہ چاک کرے۔

اسی فریضہ کی ادائیگی کے جذبہ نے اورگلبرگہ کے احباب کی فرمائش نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس سلسلے میں کچھ لکھوں اور عذابِ قبر کے عقیدے کی سچائی وصداقت اور مولف ’’شمع حقیقت‘‘ کی گمراہی وضلالت کو آشکارا کروں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو ثابت قدم رکھے اور ہر قسم کے فتنوں سے ہماری حفاظت فرمائے اور مجھے اس کام کی تکمیل کی توفیق بخشے اور اس کو جوہر افادیت ونعمت قبولیت سے سرفراز فرمائے۔ آمین

محمد شعیب اللہ خان عفی عنہ
مہتمم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم بیدواڑی، بنگلور
۹؍صفر ۱۴۱۲ھ

---

(۱) شمعِ حقیقت: ۳۲۲

شرعی دلائل کیا ہیں؟

عذاب قبر کا عقیدہ بلا شبہ اسلامی عقیدہ ہے اوراس پر متعدد شرعی دلائل قائم ہیں۔اس کی تفصیل سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ کسی بھی شرعی مسئلہ کا ثبوت جن دلائل کی بنیاد پر ہوتا ہے وہ چار ہیں:

(۱) کتاب اللہ (قرآن شریف)

(۲) سنت رسول اللہ (احادیث رسول)

(۳) اجماع امت

(۴) انہی تین سے مستفاد قیاس ہے۔

علامہ بزدویؒ " کنزالوصول الی معرفة الاصول" میں لکھتے ہیں:

"اعلم أن أصول الشرع ثلاثة : الكتاب، والسنة، والاجماع ، والاصل الرابع القياس بالمعنى المستنبط من هذه الأصول". (۱)

(یعنی جاننا چاہئے کہ شریعت کے دلائل تین ہیں: کتاب اللہ، سنت اور اجماع اور چوتھی دلیل اس معنی پر قیاس کرنا ہے جو انہی اصول سے مستنبط ہو)

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کسی شرعی مسئلہ کے ثابت کرنے کے لیے ان دلائل اربعہ میں سے کسی بھی دلیل سے احتجاج واستدلال کیا جاسکتا ہے۔کوئی اس بات کے مطالبہ کا حق نہیں رکھتا کہ صرف قرآن سے اس کا ثبوت دو یا فلاں دلیل ہی سے ثبوت پیش کرو، بلکہ ان دلائل میں سے کسی بھی دلیل سے ثبوت پیش کر دیا جائے، اس کو تسلیم کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔

اس کی مثال بھی عرض کر دینا ضروری ہے تا کہ غبی لوگوں کو بات اچھی طرح

اصولِ بزدوی:۵

سمجھ میں آجائے۔ وہ یہ کہ مثلاً زید نے دعویٰ کیا کہ وتر کی نماز ایک مشروع عبادت ہے، اس پر عمرو نے مطالبہ کیا کہ قرآن سے اس کی دلیل پیش کرو، تو ظاہر ہے کہ یہ مطالبہ غلط ہے؛ کیونکہ وتر کی مشروعیت کو حدیث یا اجماع یا قیاس سے ثابت کردینا بھی کافی ہے۔ اسی طرح زیر بحث مسئلہ کو بھی شرعی دلائل میں سے کسی بھی دلیل سے ثابت کیا جاسکتا ہے، مگر چونکہ زیر بحث مسئلہ عقیدہ سے متعلق ہے اور عقیدے کا ثبوت قطعی دلیل سے ہی ہوسکتا ہے، اس لیے ان دلائل میں سے جن میں قطعیت ہو، وہ یہاں پیش کئے جائیں گے۔ اور دلائل قطعیہ تین ہیں: قرآن، حدیث متواتر اور اجماع امت۔

ہم یہاں ان میں سے کسی ایک پر بھی اکتفا کر سکتے ہیں، تاہم اطمئنانِ قلب کے لیے اور اتمام حجت کے طور پر ہرسہ دلائل سے عذاب قبر کا ثبوت پیش کریں گے، جس سے واضح ہوجائے گا کہ عذاب قبر کا عقیدہ اسلامی عقیدہ ہے، اور بقول مولف ''شمع حقیقت'' ہندواور غیر اسلامی عقیدہ نہیں ہے۔ واللہ الموفق

عذاب قبر اور قرآن مجید

ہم سب سے پہلے شریعت کا سب سے بڑا اور مستند مصدر اور اصول لیتے ہیں یعنی قرآن مجید، اس میں عذاب قبر کا ثبوت ملتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن میں اس کا ذکر نہیں ہے، بلکہ قاضی محمد علی صاحب نے ''شمع حقیقت'' میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ ''قرآن اس عقیدے کی نفی کرتا ہے۔''(۱)

مگر یہ ان کے قصور نظر وفتور عقل کا نتیجہ ہے، ورنہ اس مسئلہ کا ثبوت قرآن سے بھی واضح طور پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے:

---

(۱) شمعِ حقیقت: ۳۲۲

پہلی آیت

﴿ فَوَقٰـهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِـاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ ، اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ قف اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴾[المُوْمِن: ۴۵-۴۶]

(پھر بچالیا اللہ نے (موسیٰ) کو بُرے داؤ سے جو وہ (فرعونی) کرتے تھے، اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب، وہ آگ پر پیش کئے جاتے ہیں صبح اور شام، اور جس دن قیامت ہوگی (حکم ہوگا) داخل کرو فرعونیوں کو سخت سے سخت عذاب میں)

اس آیت میں غور کیجئے کہ قیامت کے دن سے پہلے ایک آگ کا عذاب صبح اور شام فرعونیوں کے لیے بتایا گیا ہے، پھر اس کے بعد قیامت کے سخت عذاب کا ذکر آیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعونیوں سے نجات پانے کے بعد اور قیامت سے قبل فرعونیوں کو جو عذاب کا ہونا بتایا گیا ہے یہ برزخ کا عذاب نہیں تو اور کیا ہے؟

چنانچہ علماء تفسیر نے اس سے یہی سمجھا ہے کہ اس آگ کے عذاب سے مراد قبر کا عذاب ہے۔ علامہ آلوسی بغدادیؒ اپنی تفسیر ''روح المعانی'' میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ففی الآیة دلیل ظاهرعلی بقاء النفس وعذاب البرزخ لأنه تعالیٰ بعد أن ذکرذلك العرض قال جلّ شانُه: "وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ "وهوظاهرفي المغايرة فيتعين کون ذلك فی البرزخ ".(۱)

(۱) روح المعانی: ۲۴/۴۷

(یعنی اس آیت مذکورہ میں نفس کے بقاءاور عذاب قبر پر واضح دلیل ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے (ان فرعونیوں کو) اس آگ پر پیش کرنے کا ذکر فرما کر کہا ہے کہ قیامت کے دن ان کو حکم ہوگا کہ سخت عذاب میں ان کو داخل کرو اور یہ دونوں (عذابوں کے) الگ الگ ہونے میں واضح ہے۔پس یہ بات متعین ہوجاتی ہے کہ یہ (آگ کا عذاب) برزخ میں ہوگا)

علامہ قرطبی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت مجاہد، حضرت عکرمہ، حضرت مقاتل اور حضرت محمد بن کعب سب یہ کہتے ہیں کہ یہ آیت دنیا میں عذاب قبر پر دلالت کرتی ہے۔(۱)

دنیا میں عذاب قبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ قبر کا عذاب آخرت کے آنے سے پہلے ہے، جیسا کہ معلوم ہے۔واللہ اعلم

علامہ سیوطیؒ " الإكليل في استنباط التنزيل "میں اسی آیت سے مستنبط احکام ومسائل کا ذکر فرماتے ہوئے، علامہ کرمانی کی ''العجائب'' سے نقل کرتے ہیں کہ:

"فى الآية أدل دليل على عذاب القبرلأن المعطوف غيرالمعطوف عليه."(۲)

(یعنی اس آیت میں عذاب قبر پر بڑی واضح دلیل ہے؛ کیونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں مغایرت ہوتی ہے (لہٰذا قیامت کا عذاب الگ چیز ہے اور اس سے پہلے مذکورہ آگ کا عذاب دوسری چیز ہے)۔

اور علامہ شوکانی نے تصریح کی ہے کہ اس آیت سے عذاب قبر مراد ہونا جمہور کا مسلک ہے، وہ کہتے ہیں کہ " وذهب الجمهور أن هذا العرض هو في البرزخ ".(۳)

(۱) قرطبی:۹/۲۷۸ (۲) الاکلیل للسیوطی:۱۸۹ (۳) فتح القدیر:۴/۷۰۵

حضرات علماء وائمہ کی ان تمام عبارات سے یہ واضح ہوا کہ مذکورہ بالا آیت میں قیامت سے قبل ایک اور آگ کے عذاب کا جو ذکر ہے اس سے مراد برزخ اور قبر کا عذاب ہے۔

دوسری آیت

﴿ وَلَوْ تَرٰى إِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ج اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ [الأنعام: ۹۳]

(اور اگر تو دیکھے جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے (یہ کہتے ہوئے) اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں آج تم کو بدلہ میں ذلت کا عذاب ملے گا، اس سبب سے کہ تم اللہ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں سے تکبر کرتے تھے)

اس آیت میں فرشتوں کا کافروں اور ظالموں سے بوقتِ موت یہ کہنا مذکور ہے کہ آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس میں آج سے کیا مراد ہے؟ یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں آج سے مراد متعارف دن نہیں ہے؛ کیونکہ متعارف دن مراد لینے کی صورت میں اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ جس دن ظالموں کی موت ہوئی اس دن اس کو عذاب دیا جائے گا، حالانکہ یہ قطعاً مراد نہیں ہے۔ اب دو احتمال باقی ہیں: ایک یہ کہ "الیوم" (آج) سے مراد قیامت کا دن لیا جائے مگر یہ بعید بلکہ غلط ہے؛ کیونکہ بوقت موت آج بول کر قیامت کا دن کیسے مراد لیا جا سکتا ہے؟ دوسرا احتمال یہ ہے کہ آج سے مراد مطلق زمانہ ہو اور یہ مطلب ہو کہ اب موت کے بعد عذاب دیا جائے گا، یہی معنی اور مطلب درست اور صحیح ہے۔

اس تفصیل کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ فرشتے ظالموں سے بوقت اخراجِ روح کہتے ہیں کہ اب (یعنی موت کے بعد) تمہیں ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔ یہ عذاب اگر قیامت کا عذاب ہوتا تو اب یا آج کہنا صحیح نہ ہوتا، لہٰذا اس سے مراد قیامت سے پہلے کا عذاب ہے اور وہ برزخ اور قبر کا عذاب ہے۔

علامہ ابن القیم الجوزیہؒ نے ''کتاب الروح'' میں اس آیت کو پیش کر کے عذاب قبر پر استدلال کیا ہے اور فرمایا ہے کہ:

''یہ ان (ظالموں) سے موت کے وقت خطاب ہے اور فرشتوں نے (اور وہ سچے ہیں) خبر دی ہے کہ وہ آج یا اس وقت عذابِ ذلت دیے جائیں گے۔ لہٰذا اگر یہ عذاب دنیا کے ختم ہونے تک مؤخر ہو جائے تو یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ آج عذاب دیے جائیں گے۔(۱)

علامہ شوکانی فرماتے ہیں کہ " أي اليوم الذي تقبض فيه أرواحكم ، أو أرادوا باليوم الوقت الذي يعذبون فيه الذي مبدؤه عذاب القبر" (آج کے دن سے مراد وہ دن ہے جس میں تمہاری روحیں قبض کی جاتی ہیں، یا اس سے وہ ''وقت'' مراد لیا ہے جس میں انہیں عذاب دیا جاتا ہے جس کی ابتداء عذاب قبر سے ہے)۔(۲)

الغرض اس آیت میں جس عذاب کا تذکرہ ہے وہ موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کا عذاب ہے اور اسی کو عذاب قبر یا عذاب برزخ کہتے ہیں۔ علامہ سیوطی نے بھی بتایا ہے کہ اس آیت میں عذاب قبر کا ذکر ہے۔(۳)

تیسری آیت

﴿وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَاباً دُوْنَ ذٰلِکَ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَهُمْ لَايَعْلَمُوْنَ﴾

(۱) کتاب الروح:۵۷ (۲) فتح القدیر:۲/۲۰۲ (۳) الاکلیل:۹۹

[الطور:۴۷]

(اوران لوگوں کے لیے جوظلم کرتے ہیں ایک اورعذاب ہے اس (قیامت کےعذاب) سے پہلے،لیکن ان میں سے اکثرنہیں جانتے)

اس آیت سے پہلی آیت میں قیامت کے عذاب کا ذکرآیا ہے،اوراس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے عذاب سے ہٹ کران ظلم پیشہ لوگوں کے لیے ایک اورعذاب ہے،اس جگہ "دون ذلك" کے الفاظ آئے ہیں اوران کے تین معنی ہیں: ایک معنی یہ ہیں:''اس سے پہلے''،دوسرے معنی ہیں:''اس سے ہلکا''اورتیسرے معنی ہیں:''اس کےعلاوہ''۔(۱)

حاصل یہ کہ ظالموں کوقیامت کے عذاب سے پہلے، یا قیامت کے عذاب سے ہلکا، یا قیامت کے عذاب کے علاوہ بھی ایک اورعذاب ہے۔اس سے کون سا عذاب مرداہے؟

اس میں ایک قول یہ ہے کہ دنیا میں پیش آنے والے مصائب اور کفار کاقتل وغیرہ اس سے مراد ہے،مگراس پرعلامہ ابن القیم نے یہ اشکال کیا ہے کہ بعض کفار بلامصائب وشدائد دنیا سے چلے گئے،توان کے حق میں یہ عذاب ثابت نہ ہوا،لہٰذا یہ عذابِ مصائب وشدائداس سے مرادنہیں ہوسکتا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مرادقبر وبرزخ کاعذاب ہے۔یہی قول ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں مروی ہے جس کوابن ابی حاتم نے تخریج کیا ہے۔(۲)

اورمتعدد مفسرین وعلماء نے اسی قول کواختیار کیا ہے اور یہی قول حضرت علی

(۱) قرطبی:۱۷/۷۸،روح المعانی:۲۷/۴۰ (۲)الاکلیل:۲۰۱

اور براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ (۱)

اس آیت کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی آیا ہے، جس کو ابن القیم نے اظہر قرار دیا ہے، وہ یہ کہ ان ظالموں میں سے جو (بلا مصائب) مر گئے، ان کو برزخ اور قبر میں عذاب ہوگا اور جو زندہ رہے ان کو دنیا میں عذاب ہوگا۔ (۲)

اس قول پر بھی عذاب قبر کا اس آیت سے ثبوت ہوتا ہے۔ الغرض یہ تین آیات یہاں عذاب قبر کے سلسلے میں پیش کی گئی ہیں، بعض علماء نے اور آیات بھی اس سے متعلق ذکر فرمائی ہیں، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ عذاب قبر کے بارے میں قرآن میں آیات وارد ہوئی ہیں، مگر اہل انصاف کے لیے یہ دو چار بھی کافی ہیں، لہٰذا ہم نے اسی پر اکتفاء کیا ہے۔

عذاب قبر اور حدیث رسول

قرآن کے بعد حدیث رسول کو لیجئے۔ احادیث میں بھی عذاب قبر کا ذکر آیا ہے اور پوری وضاحت وصراحت سے آیا ہے اور بے شمار حدیثوں میں آیا ہے، ان میں سے بہت سی احادیث صحیح ہیں اور بعض ''بخاری'' اور ''مسلم'' میں موجود ہیں، یہاں تمام کا احاطہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اور نہ اس کی ضرورت ہے، صرف چند احادیث کو منتخب کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

عذاب قبر کے سلسلے میں تین قسم کی احادیث آئی ہیں: ایک وہ جن میں مطلق عذاب قبر کا ذکر ہے اور دوسرے وہ جن میں بعض خاص عذابات بتائے گئے ہیں، اور تیسرے وہ جن میں اللہ کے رسول ﷺ کا عذاب قبر سے پناہ مانگنا، یا اس سے پناہ مانگنے کا حکم مذکور ہے۔ ہم تینوں قسم کی چند حدیثوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔

(۱) قرطبی: ۷/۸۱۷، روح المعانی: ۲۷/۴۰ (۲) کتاب الروح: ۵۷

مطلق عذاب قبر کی حدیثیں

(۱) عَنْ عَائِشَة رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا اَنَّ یَهُوْدِیَّةً دَخَلَتْ عَلَیْهَا فَذَکَرَتْ عَذَابَ الْقَبْرِ، فَقَالَتْ لَهَا اَعَاذَکِ اللّٰہُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَسَأَلَتْ عَا ئِشَةُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ عَنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالَ: نَعَمْ عَذَابُ الْقَبْرِ حَقٌّ ، قَالَتْ عَا ئِشَةُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهَا: فَمَارَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ بَعْدُ صَلّٰی صَلٰوةً اِلَّا تَعَوَّذَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .(۱)

(حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اوراس نے عذاب قبر کا ذکر کیا اور حضرت عائشہ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب قبر سے بچائے ،حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے عذاب قبر کی بابت پوچھا،آپ نے فرمایاہاں عذاب قبر برحق ہے،حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پھراس کے بعد میں نے رسول خدا ﷺ کو دیکھا کہ ہر نماز کے بعد عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے)

(۲)عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْهَا تَقُوْلُ : قَامَ رَسُوْلُ اللّٰہِ خَطِیْبًا فَذَکَرَ فِتْنَةَ الْقَبْرِ الَّتِيْ یَفْتَتِنُ فِیْهَا الْمَرْأُ فَلَمَّا ذَکَرَ ذٰلِکَ ضَجَّ الْمُسْلِمُوْنَ ضَجَّةً ".(۲)

(حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ خطبہ دیتے ہوئے کھڑے ہوئے ،اورآپ نے قبر کے فتنہ کا ذکر کیا جس میں انسان کی آزمائش کی جاتی ہے،آپ نے اس کوذکر کیاتو مسلمان (خوف سے) چیخنے لگے)

(۳) حضرت زیدبن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک جگہ چار، پانچ ، یا چھ قبریں دیکھیں تو فرمایا کہ تم میں سے ان

(۱) بخاری:۱/۱۸۳،مشکوۃ:۲۵(۲) بخاری:۱/۱۸۳،نسائی:۲۰۳۵

قبر والوں کو کون جانتا ہے؟ ایک شخص نے عرض کیا کہ میں جانتا ہوں، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کب مرے ہیں؟ اس نے بتایا کہ حالت شرک میں مرے ہیں، آپ نے فرمایا کہ:

”اِنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ تُبْتَلٰى فِيْ قُبُوْرِهَا فَلَوْلَا اَنْ لَا تَدَافَنُوْا لَدَعَوْتُ اللّٰهَ اَنْ يُسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ الَّذِيْ اَسْمَعُ مِنْهُ ، ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهٖ .... قَالَ : تَعَوَّذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، فَقَالُوْا: نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ“.(۱)

(یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش میں مبتلا کی جاتی ہے، پس اگر (مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ) تم دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تم کو عذاب قبر سنائے جس کو میں سنتا ہوں۔ پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ سے عذاب قبر سے پناہ مانگو، صحابہ نے کہا کہ ہم عذاب قبر سے پناہ مانگتے ہیں)

(۴) عَنْ أَبِيْ أَيُّوْب رضي الله عنه قَالَ: خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ وَقَدْ وَجَبَتِ الشَّمْسُ، فَسَمِعَ صَوْتاً ، فَقَالَ : يَهُوْدُ تُعَذَّبُ فِيْ قُبُوْرِهَا“۔(۲)

(حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ غروب آفتاب کے بعد رسول اللہ ﷺ (کسی ضرورت سے) باہر نکلے، تو آپ نے ایک آواز سنی، آپ نے فرمایا کہ یہود اپنی قبروں میں عذاب دیے جارہے ہیں)

ایک شبہ کا جواب

ممکن ہے کہ آج کل کے روشن دماغ حضرات میں سے کسی کو اس حدیث پر یہ شبہ ہو کہ ابوایوب رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا آواز سننا کیسے معلوم ہوا؟ اگر وہ خود

(۱) مسلم:۲/۳۸۶، مسند احمد:۱/۲۰۶۷۱ (۲) بخاری:۱/۱۸۴، مسلم:۲/۳۸۶، نسائی:۲۰۳۲، احمد:۲۲۴۳۸

بھی سنے ہوتے تو یوں کہتے کہ ہم نے آواز سنی مگر وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آواز سنی، معلوم ہوا کہ انہوں نے تو نہیں سنا تھا، پھر ان کو یہ کیسے معلوم ہوا؟

اس شبہ کا جواب بالکل ظاہر ہے کہ حضرت ابوایوبؓ نے تو نہیں سنا تھا، مگر آپ کو اللہ کے رسول ﷺ نے بتایا تھا کہ میں نے ایسی آواز سنی ہے اور یہ آواز عذاب قبر کی ہے۔ اور حضرت ابوایوب نے اسی کی حکایت اس طرح کر دی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے آواز سنی، اس میں کوئی قابل اشکال بات نہیں ہے۔ اور اس پر دلیل طبرانی کی روایت ہے جس میں یہ وضاحت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ: ''اللہ کے رسول نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم وہ آواز سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں، حضرت ابوایوبؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے (یعنی میں نہیں سن رہا ہوں) آپ نے فرمایا کہ میں یہودیوں کی آوازیں سن رہا ہوں، جو اپنی قبروں میں عذاب دیے جا رہے ہیں۔ (۱)

اس حدیث میں حضور کریم ﷺ کے آواز عذاب قبر سننے پر جو شبہ کیا جاتا ہے اس کا جواب آگے آ رہا ہے۔

(۵)''عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ عَلٰی قَبْرَينِ فَقَالَ: اِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ، وَمَايُعَذَّبَانِ مِنْ كَبِيرٍ، ثُمَّ قَالَ : بَلٰی اَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ يَسْعٰی بِالنَّمِيمَةِ ، وَاَمَّا اَحَدُهُمَا فَكَانَ لَايَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهٖ ، قَالَ: ثُمَّ اَخَذَ عُوداً رَطْباً ، فَكَسَرَهُ بِاثْنَيْنِ ، ثُمَّ غَرَزَ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا عَلٰی قَبْرٍ، ثُمَّ قَالَ لَعَلَّهُ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَالَمْ يَيْبَسَا''. (۲)

(حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا گذر دو قبروں

(۱) فتح الباری: ۳/۲۴۱ (۲) بخاری: ۱/۱۸۴، مسلم: ۱/۱۴۱، نسائی: ۳۱، ابوداؤد: ۱۹، دارمی: ۳۲۷، احمد: ۱۸۷۷

پر ہوا، آپ نے فرمایا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑی بات کی وجہ سے عذاب نہیں ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک چغلخوری کرتا تھا اور دوسرا پیشاب سے نہ بچتا تھا۔ پھر آپ نے ایک تر شاخ لی اور اس کے دو حصے کر دیے، پھر ہر قبر میں ایک شاخ گاڑ دی، پھر فرمایا کہ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے عذاب کم کر دے، جب تک یہ شاخیں خشک نہ ہو جائیں)

اس حدیث پر قاضی محمد علی صاحب نے ''شمع حقیقت'' میں بعض جاہلانہ شبہات پیش کیے ہیں، ہم اس کا مفصل جواب اسی موقعہ پر دیں گے جہاں ان کے دیگر لغویات کا جواب دیا جائے گا۔

یہ کل پانچ احادیث ہیں جو بطور نمونہ مطلق عذاب قبر کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں، ورنہ اس کے بارے میں اور بھی بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

احادیث میں قبر کے مخصوص عذابات کا ذکر

اب ان احادیث کو ذکر کیا جاتا ہے جن میں قبر میں ہونے والے بعض خاص خاص عذابات کا ذکر آیا ہے۔ اور یاد رہے کہ ان میں سے بھی چند کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک لمبی حدیث آئی ہے، اس میں رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا ہے کہ منافق اور کافر کو جب دفن کر دیا جاتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آ کر اس کو بٹھا دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ تو اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارے میں کیا کہتا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ دوسرے لوگ کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا، اس سے کہا جاتا ہے کہ تو نے نہ عقل سے کام لیا اور نہ دوسرے کی اتباع کی، پھر اُسے لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے اور وہ چیختا ہے، مگر اس کی آواز سوائے جن

وانس کے تمام مخلوقات سنتے ہیں۔(۱)

اس حدیث میں منافق وکافر کو گرزوں سے مارنے کا عذاب بتایا گیا ہے، اس میں انسان اور جن کے اس آواز کو نہ سننے اور دیگر مخلوقات کے سننے پر جو اشکال ہے، اس کا جواب ''شبہات کے جوابات'' کے موقعہ پر آئے گا۔

(۲)''عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: اِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا مَاتَ عُرِضَ عَلَيْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ ، اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَمِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَ اِنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَمِنْ اَهْلِ النَّارِ، فَيُقَالُ: هٰذَا مَقْعَدُكَ حَتّٰى يَبْعَثَكَ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ''(۲)

(حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مرجاتا ہے تو ہر صبح وشام اُسے اس کا مقام پیش کیا جاتا ہے، اگر وہ جنتی ہے تو جنتیوں کے مقام میں سے اور اگر دوزخی ہے تو دوزخیوں کے مقامات میں سے، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ یہی تیرا مقام ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تجھے اٹھائے)

اس حدیث سے دوزخیوں کو عذاب قبر کا ہونا ثابت ہوا اور وہ عذاب دوزخ کے مقامات کا اس پر پیش ہونا ہے، اور ظاہر ہے کہ دوزخ اس پر پیش ہوگی تو اس سے تکلیف بھی ہوگی۔ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عذاب قبر کا ثبوت ہے۔(۳)

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب مردہ

---

(۱) بخاری:۱/۱۸۴، نسائی:۲۰۲۴، ابوداؤد:۴۱۲۶، احمد:۱۱۸۲۳ (۲) بخاری:۱/۱۸۴، مسلم:۲/۳۸۵، ترمذی:۱/۲۰۵، نسائی:۲۰۳۴، ابن ماجہ:۴۲۶۰، احمد:۴۴۲۹ (۳) فتح الباری:۳/۲۴۳

کوقبر میں رکھ دیا جاتا ہےتواس کے پاس کالی نیلی آنکھوں والے دوفرشتے آتے ہیں ایک کا نام منکراوردوسرے کانکیر ہے، پس وہ مردہ سے پوچھتے ہیں کہ تواس شخص (محمد ﷺ) کی بابت کیا کہتا ہے——اس کے بعد مومن کا صحیح جواب اوراس پراس کے لیے راحت ونعمت کا ذکر ہے، پھرآگے ارشاد ہے——اگرمنافق ہوگا تو کہے گا کہ میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا وہ میں نے بھی کہا، میں کچھ نہیں جانتا، وہ فرشتے کہیں گے کہ ہم جانتے تھے کہ توایسا ہی کہے گا۔ پس زمین کوحکم دیا جائے گا کہ اس کو دبا، پس زمین اس کواس طرح دبائے گی کہ اس کی پسلیاں اِدھرکی اُدھر، اُدھرکی اِدھرنکل جائیں گی، پس وہ ہمیشہ اسی عذاب میں رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسکواس جگہ سے اُٹھادے۔(۱)

(۴) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں قبر میں مومن وکافر کے حالات کا ذکرآیا ہے۔اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کافرکوفرشتے قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ تیرارب کون ہے؟ وہ کہے گا: ہاہ ہاہ، میں نہیں جانتا، پھروہ پوچھتے ہیں کہ تیرادین کیا ہے؟ وہ کہے گا کہ ہاہ ہاہ، میں نہیں جانتا، وہ پوچھتے ہیں کہ وہ آدمی (یعنی محمد ﷺ) کون ہیں جن کوتم میں بھیجا گیا تھا؟ وہ کہے گا کہ ہاہ ہاہ، میں نہیں جانتا۔ پھرایک منادی آسمان سے پکارے گا کہ یہ جھوٹا ہے،اس کے لیےآگ کا فرش بچھاؤ،آگ کالباس پہناؤ،اوراس کے لیے دوزخ کی طرف ایک دروازہ کھول دو، اس سے دوزخ کی گرم ہوائیں آئیں گی اورلوئیں آئیں گی اوراس کی قبر تنگ کردی جائے گی جس سے اسکی اُدھرکی پسلیاں اِدھراور اِدھرکی اُدھرنکل آئیں گی۔ پھراس پرایک اندھااوربہرافرشتہ مقررکیا جائے گا

(۱) ترمذی:۱/۲۰۵،مشکوۃ:۲۵

جس کے پاس لوہے کا گرز ہوگا کہ اگر اس کو پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ بھی مٹی (یعنی ریزہ ریزہ) ہوجائے گا۔ وہ اس سے اس کو مارے گا جس کی آواز سوائے جن وانس کے مشرق اور مغرب کی تمام مخلوقات سنتی ہیں، پس وہ مٹی ہوجائے گا، پھر اس میں روح ڈالی جائے گی۔ (۱)

(۵) حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ " يُسَلَّطُ عَلَى الْكَافِرِ فِيْ قَبْرِهٖ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ تِنِّيْنًا تَنْهَشُهُ وَ تَلْدَغُهُ حَتّٰى تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَلَوْ أَنَّ تِنِّيْنًا مِّنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ مَا نَبَتَتْ خَضْرَاءُ" (کافر کی قبر میں اس کے اوپر ننانوے اژدھے (بڑے سانپ) مقرر کیے جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈستے ہیں، اور ان اژدھوں کی کیفیت یہ ہے کہ ان میں سے ایک اگر زمین پر پھنکار دے تو زمین سبزہ نہ اُگائے۔ (۲)

اور امام ترمذی نے بھی لمبی حدیث میں حضرت ابوسعید ہی سے دوسرے الفاظ سے اس کو روایت کیا ہے، مگر اس میں ننانوے اژدھوں کے بجائے ستر اژدھوں کا ذکر ہے۔ (۳)

ان احادیث شریفہ میں متعدد خاص خاص عذابوں کا ذکر ہے جو قبر میں پیش آتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سی اور احادیث قبر میں ہونے والے عذابوں کے تذکرہ پر مشتمل ہیں، مگر چونکہ ہمارا مقصود ان سب کا احاطہ کرنا نہیں ہے بلکہ ثبوت کے طور پر چند احادیث کا پیش کرنا ہے، اس لیے ہم نے انہی چند پر اکتفاء کیا ہے۔

احادیث میں عذابِ قبر سے پناہ کا ذکر

اب لیجئے، تیسری قسم کی احادیث، جن میں قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے

(۱) ابوداؤد: ۴۱۲۷، احمد: ۱۷۸۰۲، مشکوۃ: ۵۲۔۶۲ (۲) دارمی: ۲۶۹۴ (۳) ترمذی: ۲۳۸۴

یا اس کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے اوپر بعض حدیثیں گزر چکی ہیں، اور چند ملاحظہ کیجئے۔

(۱) " عَنْ بِنْتِ خَالِدِ بْنِ سَعِيْدِ بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ ﷺ وَهُوَ يَتَعَوَّذُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ ". (۱)

(بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو عذاب قبر سے پناہ مانگتے سنا ہے)

(۲) "عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَدْعُوْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ وَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ"۔ (۲)

(حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا مانگتے تھے، اے اللہ! میں تجھ سے عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں اور دوزخ کے عذاب سے اور زندگی اور موت کے اور مسیح دجال کے فتنہ سے)

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کلمات سے دعا کرتے تھے، ....اس کے بعد ایک لمبی دعا نقل فرمائی ہے جس میں یہ بھی ہے کہ:"اَللّٰهُمَّ فَاِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ وَفِتْنَةِ الْقَبْوَعَذَابِ الْقَبْرِ"(اے اللہ میں دوزخ کے فتنہ اور عذاب اور قبر کے فتنہ اور عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں)۔ (۳)

(۴) "عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ:اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَالْجُبْنِ وَالْهَرَمِ وَالْبُخْلِ ، وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ"۔ (۴)

(۱) بخاری:۱/۱۸۴، احمد:۲۵۸۱۰ (۲) بخاری:۱/۱۸۴، مسلم:۹۲۷، نسائی:۵۴۱۱، احمد:۹۱۰۱ (۳) مسلم:۲/۳۴۷، نسائی:۵۳۷۱، ابن ماجہ:۳۸۲۸ (۴) مسلم:۲/۳۴۷، بخاری:۲۶۱۱، نسائی:۵۳۵۳، ابوداؤد:۱۳۱۷، احمد:۱۱۶۷۰

(حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ یوں کہتے تھے کہ اے اللہ! میں عجز سے، سستی سے، بزدلی سے، بڑھاپے سے، اور بخل سے پناہ مانگتا ہوں اور عذاب قبر اور زندگی اور موت کے فتنہ سے پناہ چاہتا ہوں)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:" عُوْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ (وفي رواية : مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ)، عُوْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، عُوْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ عُوْذُوْا بِاللّٰهِ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ". (اللہ کے عذاب سے پناہ مانگو، (ایک روایت میں جہنم کے عذاب کا ذکر ہے) عذاب قبر سے پناہ مانگو، مسیح دجال کے فتنے سے پناہ مانگو، زندگی وموت کے فتنے سے پناہ مانگو)۔(۱)

یہاں تک کل پندرہ احادیث پیش کی گئیں ہیں جن سے عذاب قبر کا ثبوت ہوتا ہے۔ ان احادیث میں سے ممکن ہے بعض احادیث میں کچھ ضعف ہو، مگر یہاں پیش کردہ روایات میں زیادہ تر ''بخاری'' اور ''مسلم'' کی حدیثیں ہیں جن کا صحیح ہونا مسلمہ امر ہے، اور دوسری احادیث انہی کی تائید وتقویت کے لیے ذکر کی گئی ہیں۔ اور معلوم ہونا چاہئے کہ یہ اور ان کے علاوہ کتب احادیث میں مندرجہ احادیث بلاشبہ معنوی اعتبار سے تواتر کی حد کو پہنچ جاتی ہیں اور ان سب کے پیش نظر ان سے عذاب قبر کا ثبوت بلا کسی تاویل وتامل کے ہوجاتا ہے۔ چنانچہ علماء نے اس سلسلے کی احادیث کو متواتر قرار دیا ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں:

أما أحاديث عذاب القبر ومساءلة منكر ونكير فكثيرة متوا ترة عن النبى

(۱) مسلم: ۹۲۸، نسائی: ۵۴۱۸، ترمذی: ۳۵۲۸، احمد: ۹۰۱۸

صلى الله عليه وسلم . (رہی عذاب قبراور منکر ونکیر کے سوال وجواب کی احادیث تو وہ نبی کریم ﷺ سے کثیر ومتواتر طور پر ہیں)۔(۱)

علامہ سعدالدین التفتازانیؒ ''شرح عقائد نسفیہ'' میں فرماتے ہیں:

"وبالجملة الأحاديث في هذالمعنى وفي كثيرمن أحوال الآخرة متواترة المعنى وإن لم يبلغ آحادها حد التواتر"(الغرض احادیث اس (قبر کے عذاب) کے بارے میں اوراحوال آخرت میں سے بہت سے امور میں معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں اگر چہ ان میں سے انفراداً ہرایک حدتواتر کو نہ پہنچی ہو)۔(۲)

الغرض اس سلسلے کی حدیثیں معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں، لہٰذاان سے عقیدے کا اثبات بلاشبہ درست ہے۔اورخصوصاً جب کہ قرآن مجید کی بعض آیات سے بھی اس پراستدلال کیا گیا ہے جیسااوپر گذرا،تواب عقیدۂ عذاب قبر کا اثبات ان سے بلاتأمل درست وجائز ہے۔اس تفصیل سے ان لوگوں کی غلطی ظاہر ہوگئی جوان احادیث کو اخبارآحاد کہہ کرعذاب قبر کے عقیدے کے اثبات میں ان کو ناکافی قرار دیتے ہیں۔

عذاب قبراوراجماع اہل السنّت والجماعت

قرآن وحدیث کے بعد تیسری قطعی دلیل جوعذاب قبر کی حقیت پردلالت کرتی ہے وہ اہل السنّت والجماعت کا اس پراجماع ہے۔چنانچہ تمام اہل سنت علماء کی کتابوں میں بطورایک مسلمہ عقیدے کے اسکا ذکرملتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ''فقہ اکبر'' میں فرمایا کہ:

" ضُغطَة القبرحقٌّ وعذابُه حقٌّ كائنٌ للكفاركلّهم أجمعين ولبعض

---

(۱) کتاب الروح:۵۲ (۲) شرح عقائد:۱۰۰

المسلمین"(قبر کا تنگ ہونا حق ہے اور قبر کا عذاب حق ہے جو تمام کفار اور بعض مسلمانوں کو ہوگا)۔(۱)

امام طحاویؒ جو ایک بلند پایہ محدث وفقیہ اور متکلم تھے، انہوں نے ''العقیدۃ الطحاویۃ'' میں فرمایا کہ:

" ونُؤمِنُ بِعَذَابِ القَبرونعیمِه لِمَن کان لذلك أهلاً وبِسُوَال مُنکر ونَکیرلمَیِّت في قبرِه "(ہم قبر کے عذاب اور قبر کی راحت پر اس کے لیے جو اس کا اہل ہو، اور قبر میں میت سے منکر ونکیر کے سوال پر ایمان رکھتے ہیں)۔(۲)

علامہ ابن تیمیہؒ الحرانی اپنی معروف کتاب ''العقیدۃ الواسطیۃ'' میں فرماتے ہیں:

" ومن الإیمان بالیوم الآخر: الإیمان بکل ما أخبره به النبي صلی الله علیه وسلم مما یکون بعدالموت، فیُؤمِنُون بفتنة القبرو بعذاب القبر" (آخرت کے دن پر ایمان میں سے ان تمام باتوں پر ایمان لانا بھی ہے جو نبی کریم ﷺ نے موت کے بعد ہونے کے متعلق خبر دی ہے، لہٰذا وہ حضرات (یعنی اہل سنت) قبر کی آزمائش اور قبر کے عذاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں).(۳)

علامہ عمر النسفیؒ اپنی کتاب ''عقائد نسفیہ'' میں لکھتے ہیں کہ:

" وعذابُ القبرللکافرین ولبعض عُصَاة المومنین وتنعیم أهل الطاعة في القبر وسوال منکر ونکیر ثابتٌ بالدلائل السمعیة" (کافروں اور بعض گنہ گار مسلمانوں کو عذاب قبر کا ہونا اور اہل طاعۃ کے لیے قبر میں نعمت کا ہونا اور منکر ونکیر کا سوال کرنا، دلائل سمعیہ سے ثابت ہے)۔(۴)

اور علامہ تفتازانی ''شرح المقاصد'' میں فرماتے ہیں:

---

(۱) شرحِ فقہ اکبر:۱۲۲ (۲) العقیدۃ الطحاویۃ:۱۱۲ (۳) العقیدۃ الواسطیۃ:۱۷ (۴) شرحِ عقائد: ۹۸-۹۹

" اتّفَقَ الإِسلامِيُّونَ على حَقِّيَّةِ سُوال مُنكر ونَـكِير في القبر و عذاب الكُفّار و بعض العُصَاة فيه "(اہل اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبر میں منکرو نکیر کا سوال کرنا اور کفار اور بعض گنہگار مسلمانوں کو عذاب ہونا حق ہے)۔(۱)

ہم نے یہاں صرف چند حوالے بطور نمونہ پیش کیے ہیں، ورنہ حق یہ ہے کہ عقائد اہل سنت پر مشتمل تمام کتابوں میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ عقائد کی کتابیں اہل سنت کے مسلک پر لکھی گئی ہیں، لہٰذا تمام اہل سنت کا یہی مسلک و مذہب ہے۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اور امام طحاوی نے اپنی ان کتابوں کے شروع میں وضاحت بھی فرمادی ہے کہ ''یہ فرقہ ناجیہ منصورہ یعنی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے'' اگر کسی کو اس پر اطمینان نہ ہو کہ یہ تمام اہل سنت کا مذہب ہے تو ہم ان کی خاطر ایک دو تصریحات بھی پیش کئے دیتے ہیں:

علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ:

"والمقصود أن مذهب أهل السنة إثبات عذاب القبر كما ذكرنا خلافاً للخوارج ومعظم المعتزلة وبعض المرجية فإنهم نَفَوا ذلك" (یہاں مقصود یہ ہے کہ اہل سنت کا مذہب عذاب قبر کو ثابت ماننا ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، بخلاف خوارج اور اکثر معتزلہ اور بعض مرجیہ کے کہ یہ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں)۔(۲)

معلوم ہوا کہ اہل سنت سب کے سب عذاب قبر کے قائل ہیں اور اس کا انکار کرنے والے صرف گمراہ فرقے ہیں جیسے خوارج، معتزلہ اور مرجیہ وغیرہ۔

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں: ''امت کے اسلاف اور ائمہ کا مذہب یہ ہے کہ میت، موت کے بعد یا تو نعمت میں ہوتی ہے یا عذاب میں ہوتی ہے''۔(۳)

---

(۱) شرح المقاصد: ۱۱۳/۵ (۲) شرحِ مسلم: ۳۸۶/۲ (۳) کتاب الروح: ۵۲

اورایک جگہ فرماتے ہیں:''یہ (عذاب قبر کا مسئلہ) جیسا کہ احادیث صحیحہ کا مقتضی ہے،اہل سنت کے مابین بھی متفق علیہ واجماعی مسئلہ ہے''۔(۱)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اپنی کتاب ''تحفۂ اثناعشریہ''میں لکھتے ہیں:

''عقیدۂ سوم آنکہ عذاب القبر حق است وہمیں است مذہب اہل سنت''

(یعنی تیسرا عقیدہ (جس میں شیعہ نے اختلاف کیا ہے) یہ ہے کہ عذاب قبر حق ہے اوریہی اہل سنت کا مذہب ہے)۔(۲)

مستند علماء وائمہ کی ان تصریحات کے بعداس میں کسی قسم کے شک وریب کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ علماء وائمہ اہل سنت سب کے سب عذاب قبر کے حق ہونے پر متفق ہیں۔لہٰذا یہ مسئلہ اہل سنت کے اجماع سے بھی ثابت ہوگیا۔

عذاب قبر کا منکر گمراہ ہے

جب قرآن،حدیث متواترۃ المعنی اوراجماع اہل سنت سے عذاب قبر کا ثبوت ہوگیااور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس کا انکارکرنے والےصرف وہ لوگ ہیں جن کو گمراہ قرار دیا گیا ہے،جیسے شیعہ،خوارج،معتزلہ،اورمرجیہ وغیرہ،تو اب اس میں کیا کسی شبہ کی گنجائش ہے کہ عذاب قبر کا منکر گمراہ وبددین ہے؟ چنانچہ حضراتِ علماء نے عذاب قبر کے انکارکرنے والےکو گمراہ وگمراہ کن قرار دیا ہے۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

''مروزیؒ نے کہا کہ امام ابوعبداللہ (احمد ابن حنبلؒ) نے فرمایا کہ عذاب قبر حق ہے،اس کا انکارصرف وہ کرتا ہے جو گمراہ ہو یا گمراہ کرنے والا ہو''۔(۳)

معلوم ہوا کہ عذاب قبر کا ماننا ایمانیات میں سے ہے اوراس کا انکار گمراہی وبددینی کی بات ہے۔

(۱) کتاب الروح:۵۷ (۲) تحفۂ اثناعشریہ:۲۳۸ (۳) کتاب الروح:۵۷

احادیثِ عذاب قبر پر اعتراضات

اوران کے جوابات

اب ہم ان اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو مؤلف ''شمع حقیقت'' کی طرف سے یا دوسرے منکرین عذاب قبر کی طرف سے بعض احادیث پر اٹھائے گئے ہیں۔

جہالت یا بددیانتی؟

آگے بڑھنے سے قبل یہاں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مؤلف ''شمع حقیقت'' قاضی محمد علی صاحب نے اپنے مضمون ''عذابِ قبر'' میں صرف تین حدیثوں کو پیش کیا ہے اوران پر کچھ جاہلانہ اعتراضات اٹھا کر یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ یہ احادیث ناقابل اعتبار ہیں۔

مگرسوال یہ ہے کہ اگر (بزعم مؤلف) یہ تین روایات ناقابل اعتبار تھیں اوران پر یہ (جاہلانہ اور بزعم مؤلف عالمانہ) اعتراضات واقع ہوتے تھے تو ان تین روایات کو چھوڑ کر مؤلف نے ذخیرۂ احادیث میں جمع بے شمار احادیث کو کیوں ترک کردیا؟ یہ تو ظاہر ہے کہ کسی دلیل کے ٹوٹ جانے سے مدلول کا بطلان ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً نماز کے متعلق احادیث میں سے ایک دو یا کئی احادیث ضعیف یا قابلِ اعتراض نکل آئیں تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوجاتا کہ نماز ہی باطل ہے؛ کیونکہ ایک دو یا کئی روایات کے ضعیف یا موضوع یا قابل اعتراض ہونے سے، اس سلسلے کی تمام روایات غلط نہیں ہوجاتیں۔ اسی طرح عذاب قبر کے متعلق ان تین روایات (جن کو مؤلف ''شمع حقیقت'' نے پیش کیا ہے) کے قابل اعتراض ہونے سے تمام ذخیرۂ

حدیث جواس سلسلے میں ہے، غلط نہیں ہو جاتا۔

لہٰذا سوال یہ ہے کہ مؤلف نے دیگر احادیث کو کیوں ترک کر دیا؟ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو مؤلف ان تمام حدیثوں سے ناواقف ہیں یا واقف تو ہیں، مگر لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ بس یہ تین ہی روایات اس بارے میں ہیں اور وہ ناقابل اعتبار ہیں۔ اگر پہلی صورت ہے تو جہالت ہے اور دوسری ہے تو بددیانتی ہے۔

ایک حدیث پر چار اعتراضات

اب ہم مؤلف ''شمع حقیقت'' کی پیش کردہ تین روایات پر، انہی کی طرف سے کیے گئے لغو اعتراضات کا جائزہ لیں گے۔ سب سے پہلے مؤلف ''شمع حقیقت'' نے بخاری کی وہ حدیث پیش کی ہے جس کو ابن عباس نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گزر ایک قبرستان پر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے: ایک کو چغلخوری کی وجہ سے اور ایک کو پیشاب سے بے احتیاطی کی بنا پر، پھر آپ نے ایک شاخ کو دو حصوں میں تقسیم فرما کر، ہر قبر پر ایک ایک کو گاڑ دیا، اور فرمایا کہ جب تک یہ شاخیں سبز رہیں گی ان کے عذاب میں تخفیف ہوگی۔ (یہ حدیث مع حوالہ اوپر ''مطلق عذاب قبر کی حدیثوں'' کے تحت تفصیل سے گذر چکی ہے)

اس حدیث پر مؤلف ''شمع حقیقت'' نے چار اعتراضات کئے ہیں:

(۱) صرف دو قبروں پر عذاب ہو رہا تھا، باقی کیوں محفوظ تھیں؟

(۲) یہ دو قبریں کافروں کی تھیں یا مسلمانوں کی؟ پھر رسول اکرم ﷺ کو عذاب میں تخفیف کرانے کا حق کس نے دیا؟ یعنی اللہ تعالیٰ تو ان پر عذاب کرتا ہے اور رسول معاذ اللہ اُسے روکتے ہیں۔

(۳) رسول اکرم ﷺ کو کیسے معلوم ہوا کہ قبر میں عذاب ہورہا ہے؟ وحی آئی تھی تو قرآن میں کیوں اس اہم بات کا ذکر نہیں؟ بغیر وحی کے معلوم ہوا تو علم غیب ثابت ہوگا مگر قرآن کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں علم غیب نہیں دیا؟

(۴) رسول اکرم ﷺ کے اس فعل پر صحابہ نے کیوں نہ عمل کیا اور کیوں نہ قبروں پر سبز ٹہنیاں ڈالیں؟

پہلے اعتراض کا جواب

یہ ہیں وہ اعتراضات جن کے جوابات ایک ادنی طالب علم بھی دے سکتا ہے، مگر مؤلف نے بڑے طمطراق سے ان کو پیش کیا ہے۔ ان میں سے پہلا اعتراض کہ عذاب صرف دو قبروں پر ہورہا تھا، باقی کیوں محفوظ تھیں؟ میں سمجھتا ہوں کہ بے سوچے سمجھے، محض ''انکارحدیث کے فتنہ'' سے متأثر ہوکر کردیا گیا ہے؛ کیونکہ حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ عذاب قبر صرف دو قبروں میں ہورہا تھا اور باقی قبریں محفوظ تھیں، بلکہ حدیث میں تو صرف یہ ہے کہ دو قبروں پر عذاب ہورہا ہے، باقی قبروں کا عذاب سے محفوظ ہونا حدیث میں مذکور نہیں ہے، مشہور قاعدہ ہے:'' العدد لاینفی الزائد'' (کہ عدد زائد کی نفی نہیں کرتا) باقی قبروں کے محفوظ رہنے کی جو بات اس حدیث سے مؤلف نے پیدا کرکے اس پر اعتراض کیا ہے یہ سوائے بے سمجھی کے اور کچھ نہیں۔

اب رہی یہ بات کہ پھر آپ نے دو ہی قبروں کا ذکر کیوں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کو جتنی بات کا علم دیا گیا آپ نے وہ بتادیا؛ کیونکہ نبی پر جس قدر علم کی بات منکشف کی جاتی ہے وہ اتنا ہی بتاتا ہے اور یہ انکشاف نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ اللہ کے اختیار میں ہوتا ہے، وہ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے، ان پر منکشف کرتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے مفقود ہوجانے پر سیدنا یعقوب علیہ السلام کو جس قدر پریشانی لاحق ہوئی، اس کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔ انہوں نے نہ معلوم کتنی دعائیں کیں اور کیا کیا درخواستیں خدا کے دربار میں پیش فرمائیں، مگر یوسف علیہ السلام کا انہیں علم نہ ہوا، مگر ایک موقعہ پر ان کو یوسف کی خوشبو محسوس ہوگئی، جس کا ذکر قرآن نے ان الفاظ میں کیا ہے: ''اِنِّيْ لَأَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ'' (حضرت یعقوب نے کہا کہ میں یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں) [یوسف: ۹۴] اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا کُرتا، ان کے بھائیوں نے لاکر پیش کیا، تو آپ نے ان سے فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں خدا کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ (سورۂ یوسف:۹۶)

اب مؤلف ''شمع حقیقت'' سے میں پوچھتا ہوں کہ حضرت یوسف کا علم برسوں تک حضرت یعقوب کو نہ ہوا اور پھر کُرتے سے یوسف کی خوشبو میلوں دور سے محسوس ہوگئی، وہ اس پر کیا کہتے ہیں؟ بس یہی کہیں گے کہ خدا نے چاہا بتایا، اور خدا نے چاہا تو نہ بتایا، اسی طرح یہاں اللہ کے نبی کو دو قبروں کے عذاب پر مطلع کیا گیا اور باقی پر مطلع نہ کیا گیا، اس میں اعتراض کی آخر کونسی بات ہے؟

دوسرے اعتراض کا جواب

دوسرے نمبر پر مؤلف ''شمع حقیقت'' نے دو باتیں پیش کی ہیں: ایک تو یہ سوال اٹھایا ہے کہ وہ دو قبر والے کافر تھے یا مسلمان؟ مگر اس سوال سے وہ آخر کہنا کیا چاہتے ہیں، اس کو انہوں نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ اس لیے ہم بھی ان کے مقصد سے اعراض کرتے ہوئے اس سوال کا جواب دے کر آگے بڑھ جانا چاہتے ہیں۔

ان قبر والوں کے بارے میں علماء کے خیالات مختلف ہیں: بعض کہتے ہیں کہ

وہ کافر تھے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ مسلمان تھے۔ اکثر علماء نے دوسرے قول کو راجح قرار دیا ہے اور ان حضرات کے مؤیدات حسب ذیل ہیں:

(۱) مذکورہ بالا حدیث میں ہے کہ وہ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں عذاب دیے جا رہے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں کافر نہیں تھے، ورنہ ان پر کفر کی وجہ سے بھی عذاب ہوتا۔

(۲) اسی حدیث کے ایک طریق میں ہے کہ یہ دو قبریں نئی تھیں۔[(۱)]

اس سے ظاہر یہی ہے کہ مسلمان حضرات کی قبریں تھیں، نہ کہ جاہلیت کے لوگوں کی۔

(۳) امام احمد نے ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ جنت البقیع میں گذرے اور فرمایا کہ تم نے آج کس کو یہاں دفن کیا ہے؟

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دو قبر والے مسلمان تھے۔ ایک تو اس طرح کہ جنت البقیع مسلمانوں کا قبرستان ہے، دوسرے اس وجہ سے کہ آپ نے صحابہ سے سوال کیا کہ تم نے آج کس کو دفن کیا ہے؟ اور معلوم ہے کہ مسلمان جن کو دفن کریں گے، وہ عام عادت میں مسلمان ہی ہوں گے۔

الغرض مسئلہ اختلافی ہے اور جمہور کے نزدیک یہ قبر والے مسلمان ہیں اور ان پر عذاب چغلخوری اور پیشاب سے بے احتیاطی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

اس نمبر میں دوسری بات مؤلف ''شمع حقیقت'' نے یہ فرمائی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو عذاب میں تخفیف کرنے کا حق کس نے دیا؟ جب خدا عذاب کرنا چاہتا ہے تو رسول اکرم ﷺ اس کو کیسے روک سکتے ہیں؟

---

(۱) فتح الباری: ۳۲۱/۱

مؤلف کے اس اعتراض سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دین کی بنیادی معلومات سے بھی پوری طرح واقف نہیں ہیں؛ کیونکہ اگر وہ بنیادی باتوں سے بھی واقف ہوتے تو انہیں ضرور علم ہوتا کہ اللہ کی جناب میں دعا اور درخواست بھی کوئی چیز ہے، کون نہیں جانتا کہ دعا کے ذریعہ عذاب میں تخفیف کرانا بلا شبہ ثابت ہے اور آپ نے اس موقعہ پر یہی کیا ہے۔

مؤلف نے اپنے مضمون کے آخر میں جس کتاب کے دیکھنے کا مشورہ دیا ہے یعنی ''عذاب برزخ'' مولفہ ڈاکٹر مسعودالدین عثمانی، اس میں بھی اس حدیث میں مذکور اس عمل کو دعا قرار دیا ہے۔(۱)

دوسرے یہ کہ حضرات علماء کہتے ہیں کہ یہ دراصل آپ کی جانب سے اللہ کے دربار میں ان گنہ گاروں کے حق میں شفاعت وسفارش ہے، جیسا کہ ''فتح الباری'' میں امام قرطبی سے نقل کیا ہے۔(۲)

اور اس کی تائید ''مسلم'' کی ایک طویل حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت جابر کو دو شاخیں لا کر ایک داہنی طرف اور دوسری بائیں طرف گاڑ دینے کا حکم فرمایا، حضرت جابر کے اس پوچھنے پر کہ آپ نے کس وجہ سے ایسا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ:

''**اِنِّیۡ مَرَرۡتُ بِقَبۡرَیۡنِ یُعَذَّبَانِ ، فَاَحۡبَبۡتُ بِشِفَاعَتِیۡ اَنۡ یُرَفَّہَ ذٰلِکَ عَنۡهُمَا مَادَامَ الۡغُصۡنَانِ رَطۡبَیۡنِ**''(میں دو ایسی قبروں کے پاس سے گذرا جن پر عذاب ہو رہا تھا، پس میں نے چاہا کہ میری شفاعت وسفارش سے ان سے یہ (عذاب) کم کر دیا جائے جب تک کہ یہ شاخیں سبز وتر رہیں)۔(۳)

اس میں صاف طور پر اللہ کے رسول علیہ السلام نے شفاعت کا ذکر کیا ہے۔

اس حدیث میں وارد اس قصہ کے بارے میں اختلاف ہے، بعض علماء کے نزدیک یہ

(۱)عذاب برزخ:۳۰ (۲)فتح الباری:۱/۳۲۰ (۳)مسلم:۲/۴۱۸

قصہ وہی ہے جس کا ذکر ابن عباس سے ''بخاری'' کی روایت میں آیا ہے اور جس پر یہاں بحث ہورہی ہے، اور بعض کے نزدیک یہ قصہ دوسرا ہے۔ تاہم اس سے اتنا معلوم ہوا کہ اس طرح کے عمل کا منشاء دراصل شفاعت ہے۔

الغرض یہ دعاء ہے یا شفاعت ہے جس کا حق اللہ نے خود عطافرمایا ہے، جیسا کہ دلائل سے اس کا ثبوت ہوتا ہے۔ اگر مؤلف اپنی ناواقفیت کے حوالے سے اس کا ہم سے مطالبہ کریں گے تو ان کو بھی پیش کردیا جائیگا۔

رہا یہ سوال کہ اگر یہ دعاء وسفارش تھی تو ان شاخوں کو گاڑنے کی کیا ضرورت تھی؟ دعاء وسفارش تو زبان سے ہوتی ہے؟ اس کے بہت سے جوابات ہیں: ان میں سے ایک جواب یہ ہے کہ تخفیف عذاب کی مدت کے لیے بطورعلامت شاخ کو گاڑا گیا تھا، اور اس کی تائید ''مسلم شریف'' کی پیش کردہ روایت کے دوسرے نسخہ سے ہوتی ہے جس میں یہ ہے کہ: ''فَاُجِيبَتْ شِفَاعَتِي'' الخ یعنی تخفیف عذاب کے لیے میری شفاعت ان دوسبز شاخوں کے سوکھ جانے تک قبول کرلی گئی ہے۔ (۱)

امام خطابیؒ نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس شاخ کی تری کے باقی رہنے تک کے لیے تخفیف کی دعاء کی تھی، ورنہ اس شاخ میں کوئی ایسی خصوصیت نہیں جو اس کے ساتھ میں خاص ہو اور نہ اس کے تر ہونے میں کوئی ایسی بات ہے جو خشک میں نہ ہو، اور بعض نے کہا کہ شاخ گاڑنے سے مقصود یہ ہے کہ جب تک یہ تر رہے گی اس کی تسبیح کی وجہ سے قبر والوں پر تخفیف ہوتی رہے گی۔ (۲)

تیسرے اعتراض کا جواب

مؤلف ''شمع حقیقت'' کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو کیسے معلوم

---

(۱) شرح مسلم: ۱/۱۴۱ (۲) فتح الباری: ۱/۳۲۰

ہوا کہ عذاب ہورہا ہے؟ اگر وحی آئی تھی تو قرآن میں اس اہم بات کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ الخ

اس اعتراض سے صاف ظاہر ہے کہ مؤلف منکر حدیث ہیں، وہ قرآن کی وحی کے سوا دوسری وحیوں کو تسلیم نہیں کرتے، حالانکہ خود قرآن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ پر قرآن کی وحی کے علاوہ اور وحی بھی نازل ہوتی تھی۔ یہاں صرف ایک دو مثالوں پر اکتفاء کروں گا:

(۱) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَمَاجَعَلنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلاَّ لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلىٰ عَقِبَيْهِ﴾ [البقرہ:۱۴۳]

(اور ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ اب تک قائم تھے، صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ یہ جان لیں کہ کون رسول کی اتباع کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس قبلہ پر آپ اب تک یعنی مسجد حرام کو قبلہ قرار دینے تک قائم رہے، وہ بھی ہم نے مقرر کیا تھا۔ یعنی مسجد حرام سے قبل مسجد اقصی کا قبلہ مقرر کرنا بھی ہمارا کام ہے، اب مؤلف سے ہم پوچھتے ہیں کہ وہ قرآن میں ہمیں کوئی ایسی آیت کا حوالہ دیں جس میں مسجد اقصیٰ کو قبلہ قرار دیا گیا ہو۔ اگر ایسی آیت نہیں پیش کی جاسکتی اور یقیناً نہیں پیش کی جاسکتی تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ نے قرآن کے علاوہ ایک اور وحی سے مسجد اقصیٰ کو قبلہ مقرر فرمایا تھا جس کا یہاں ذکر کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ وحی قرآن کے علاوہ بھی ہوتی تھی۔

(۲) ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿مَاقَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلىٰ اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ [الحشر:۵]

(کھجوروں کے درخت جوتم نے کاٹے یا جو کھڑے رہنے دیے یہ دونوں کام اللہ کی اجازت سے تھے)

یہ غزوۂ بنونضیر کے موقعہ پر نازل ہونے والی آیت ہے، صحابہ نے اللہ کے نبی ﷺ کے حکم سے بنونضیر کی کھیتیوں اوران کے باغات میں سے بہت سے باغات کو جلا دیا اور کاٹ دیا اوراس پر بعض لوگوں نے مسلمانوں کو فسادی کہا، تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی۔ اس میں بتایا گیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی اجازت سے عمل میں آیا ہے۔ کیا میں مؤلف سے پوچھ سکتا ہوں کہ یہ اجازت اللہ تعالیٰ نے کس آیت میں نازل فرمائی تھی اور کیا وہ اس کو پیش کر سکتے ہیں؟ یقیناً نہیں پیش کر سکتے۔ معلوم ہوا کہ یہ اللہ کی اجازت دوسری قسم کی وحی سے بتائی گئی تھی، جس کو وحی غیر متلو کہا جاتا ہے۔

اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ ان دوقبروں پر عذاب کا ہونا وحی سے آپ کو بتایا گیا تھا اور وہ وحی متلو (یعنی قرآن) سے نہیں، بلکہ وحی غیر متلو سے بتایا گیا تھا۔ اگر مؤلف اس کو ماننے تیار نہیں تو پہلے صاف صاف اعلان کریں کہ میں حدیث کو نہیں مانتا، پھر اس پر بحث کرلیں، ہم اس کے لیے تیار ہیں۔

چوتھے اعتراض کا جواب

مؤلف نے چوتھا اور آخری اعتراض یہ کیا ہے کہ صحابہ نے اس پر عمل کرتے ہوئے، سبز شاخیں کیوں نہ گاڑیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ:

(۱) اولاً یہ کہنا کہ صحابہ نے اس پر عمل نہیں کیا، علی الاطلاق صحیح نہیں ہے، بلکہ حضرت بُریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو شاخیں رکھی جائیں۔

اس کو امام بخاری نے تعلیقاً روایت کیا ہے، اور ابن حجر نے لکھا ہے کہ اس کو

ابن سعد نے موصولاً روایت کیا ہے،اور ابن حجرؒ نے اس پر سکوت کیا ہے، جو اس کی دلیل ہے کہ روایت ان کے نزدیک کم از کم حسن ہے یا صحیح ہے جیسا کہ علماء نے لکھا ہے۔ (۱)

(۲) ثانیاً حضرات صحابہ کا اس پر عمل نہ کرنا اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل رسول اللہ ﷺ نے بھی ہر موقعہ پر ہر قبر کے لیے نہیں کیا تھا، بلکہ اس طرح کا واقعہ دو یا تین دفعہ پیش آیا تھا: ایک تو وہی جس کا ذکر زیر بحث حدیث ابن عباس میں ہے، دوسرے وہ جو بروایت مسلم حضرت جابر سے اوپر نقل کیا گیا اور تیسرے وہ جس کو ابن حبان نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ ایک قبر پر سے گزرے اور کھڑے ہو گئے، پھر فرمایا کہ دو شاخیں لاؤ، پھر آپ نے ان میں سے ایک کو قبر کے سرہانے اور ایک کو پیروں کے پاس رکھ دیا۔ (۲)

ایک اور واقعہ ابن ماجہ نے بسند ضعیف حضرت ابورافع سے نقل کیا ہے کہ ہم ایک جنازے میں اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ تھے، آپ نے قبر سے کچھ آواز سنی تو حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ سبز شاخیں لاؤ، پھر آپ نے اس کے دو حصے کر کے ایک کو سر کے پاس، ایک کو پیروں کے پاس رکھدیا۔ (۳)

ان میں سے پہلے اور دوسرے واقعہ کو بعض علماء ایک ہی قرار دیتے ہیں، اور آخری راویت ضعیف ہے۔ اس طرح دو تین روایات ہی میں اس قسم کے واقعہ کا ذکر ملتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نبی ہر قبر کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے تھے بلکہ بعض خاص مواقع ہی پر آپ نے کیا تھا، اس لیے صحابہ نے اس کو اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ مخصوص سمجھ کر اس پر عمل نہ کیا۔

یہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے صحابہ نے اس پر عمل نہ کیا اور ہمارے علماء نے بھی

(۱) بخاری:۱۸۱، فتح الباری:۲۲۳/۳ (۲) فتح الباری:۳۱۹/۱ (۳) فتح الباری:۳۱۹/۱

اس کی اجازت نہیں دی، اور بعض علماء نے عوام میں اس کی وجہ سے بدعات وخرافات پیدا ہونے کے خدشے سے اس کو نہیں اپنایا، اور اس کے پیش نظر اس کو بالکلیہ ترک کرنے کا حکم فرمایا ہے۔

الغرض اس کی کوئی بھی وجہ ہوسکتی ہے، مگر ایک صحیح حدیث کو اس بنیاد پر کہ صحابہ نے اس پر عمل نہیں کیا کیسے رد کیا جا سکتا ہے؟ جب کہ صحابہ کا عمل نہ کرنا ایک معقول وجہ سے ہے۔

بہر حال مؤلف نے جو اعتراضات اس حدیث پر اٹھائے تھے، اس کا مدلل جواب ہوگیا ہے۔ اب ہم ان کے دوسری حدیثوں پر اٹھائے گئے اعتراضات کا جواب عرض کریں گے۔

ایک تعارض اور اس کا جواب

مؤلف ''شمع حقیقت'' نے لکھا ہے کہ:

صحیح بخاری میں ہے کہ قبر میں فرشتہ صرف رسول کے بارے میں پوچھتا ہے ''مَنْ رَسُوْلُکَ'' دوسری کتابوں میں ہے کہ چار سوال پوچھتا ہے، ابن ماجہ میں ہے کہ تین سوال پوچھتا ہے: ''مَنْ رَّبُّکَ، مَادِیْنُکَ، مَاعَمَلُکَ'' اور جب خاطر خواہ جواب نہیں ملتے تو منکر نکیر اسے مارتے ہیں الخ۔ (۱)

مؤلف کی اس عبارت سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان متعدد روایات میں تعارض ثابت کرنا چاہتے ہیں، اگر چہ صریح الفاظ میں تعارض کا دعویٰ نہیں کیا ہے، تاہم اگر ان کا ان متعدد روایت کو اس انداز سے پیش کرنے کا مقصد، تعارض کو ظاہر کرنا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ان میں حقیقۃً کسی بھی قسم کا تعارض نہیں ہے؛

شمعِ حقیقت: ۳۲۱

کیونکہ کسی روایت میں ایک اور دوسری میں دو باتوں کے بیان کرنے سے تعارض لازم نہیں آتا، کاش مؤلف کتاب لکھنے سے پہلے ''تعارض'' کی تعریف پڑھ لیتے! علماء نے تعارض کی تعریف اس طرح کی ہے:" التَّعارُض مصدر " تَعَارَضَ الشَّيْئَانِ" إذا تَقَابَلا ،تقولُ: عَارَضْتُهُ بمِثْل ما صَنَعَ ، أي أتيتُ بمِثْلِ ما أتى، فتعارُض البيِّنَتَينِ أن تَشْهدَ إحداهُمَا بِنَفْي ما أثبتَتْهُ الأُخرٰى أو بإثباتِ ما نَفَتْه" (تعارض ''تعارض الشيئان'' کا مصدر ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب دو چیزیں آپس میں مقابلہ کریں، تم کہتے ہو: میں نے اس کا معارضہ اسی چیز سے کیا جو اس نے کی تھی، یعنی اس کے مقابلہ میں اسی جیسی بات کیا، لہذا دو گواہوں کے تعارض کا مطلب یہ ہے کہ ایک گواہ اس بات کی نفی کی شہادت دے جس کو دوسرا گواہ ثابت کر رہا ہے، یا ایک گواہ اس کو ثابت کرے جسکی دوسرا نفی کر رہا ہے)۔(۱)

معلوم ہوا کہ تعارض یا معارضہ میں دو باتیں بالکل ایک دوسرے کی ضد و مخالف ہوتی ہیں، اور یہاں یہ دو باتیں مخالف نہیں ہیں بلکہ ایک حدیث میں ایک بات کہی گئی ہے اور دوسری میں مزید ایک اور بات، مزید کا نام منافی نہیں، پس اللہ کے نبی ﷺ کو اولاً ایک بات بتائی گئی اور آپ نے اس کی خبر دی، پھر ایک اور بات بتائی گئی اور آپ نے اس کو بھی بیان کیا، اس طرح ممکن ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کبھی قبر میں ہونے والا ایک سوال، کبھی دو اور کبھی تین یا چار بتائے ہوں؛ کیونکہ اللہ کے رسول کو جتنی بات کا علم ہوتا تھا آپ اتنا ہی بتاتے تھے۔

نیز یہ بھی امکان ہے کہ صحابہ یا دیگر اور راویوں نے کبھی موقعۂ فرصت پا کر تمام سوالات کا ذکر کیا ہو اور کبھی وقت کی تنگی یا کسی اور ضرورت کی بنا پر اختصار سے کام

(۱) قالہ البعلی فی المطلع :۱/۴۰۵

لیا ہو، جو حضرات احادیث کے ذخیرہ اور راویوں کے احوال وعادات سے واقفیت رکھتے ہیں، وہ ان باتوں سے بخوبی واقف ہیں، اوراس کی بے شمار مثالیں اور نظیریں ان کے علم میں ہوں گی۔

رسول اللہ ﷺ نے قبر کی آواز کیسے سن لی؟

مؤلف ''شمع حقیقت'' رقمطراز ہیں کہ:

''(حسب روایت حدیث) منکر نکیر اُسے (مردہ کو) مارتے ہیں، مردہ چلاتا ہے، اس کی آواز کو مشرق ومغرب والے سنتے ہیں مگر انسان اور جن نہیں سنتے، سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں۔ پھر روایت ہے کہ مغرب کے وقت رسول اکرم ﷺ نے آواز سنی تو فرمایا یہودی پر عذاب نازل کیا جارہا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ معاذ اللہ! رسول اکرم ﷺ انسان تھے یا نہیں؟ اگر انسان تھے تو مردہ کی آواز کیسے سن لی جب کہ فرمایا ہے کہ انسان اور جن کے علاوہ ہر چیز مردے کی آواز سنتی ہے، یا تو حدیث غلط ہے یا معاذ اللہ رسول اکرم ﷺ انسان نہ تھے۔ (۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ مؤلف کا یہ سوال یا اعتراض بھی انتہائی بچکانہ اور طفلانہ ہے، کیا مؤلف یہ نہیں جانتے کہ اللہ کے رسول علیہ السلام انسان ہوتے ہوئے بھی کچھ ایسی خصوصیات رکھتے تھے جو دیگر عام انسانوں میں پائی نہیں جاتیں۔ جبرئیل امین اور دوسرے فرشتے اللہ کے نبی کو نظر آتے تھے اور ان کا کلام آپ سنتے تھے، مگر اسی جگہ موجود حضرات صحابہ اور دوسرے انسان، اس سے بالکل بے خبر ہوتے؟ آخر وہ کیا بات تھی کہ اللہ کے نبی تو ایک چیز کو دیکھتے اور سنتے ہیں اور دوسرے انسان اس سے بے خبر ہیں؟ بس بات یہ ہے کہ نبی کو عام انسانوں کے حواس کے علاوہ ایک اور حاسہ عطا ہوتا ہے، جس سے وہ غیب کے بہت سے امور پر خدا کی طرف سے مطلع

شمع حقیقت: ۳۲۱

ہوجاتا ہے۔

پس جس طرح قرآن کے اس ارشاد کی بنا پر کہ: ''قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ'' (کہہ دو کہ میں تم جیسا انسان اور بشر ہوں)، فرشتوں کو دیکھنے اور ان کی آوازوں کو سننے کی اللہ کے نبی سے نفی نہیں کی جاسکتی، اسی طرح اللہ کے نبی کے بشر اور انسان ہونے سے قبر کی آواز سننے کی بھی آپ سے نفی نہیں جاسکتی۔

رہا یہ کہ اللہ کے نبی ﷺ نے خود ہی تو یہ فرمایا کہ انسان اور جن مردے کی آواز کو سن نہیں سکتے اور سن لیں تو بے ہوش ہوجائیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اس سے عام انسان مراد ہے، اللہ کے نبی ﷺ اس کے عموم میں داخل نہیں ہیں، اور اس پر دلیل وہ احادیث ہیں جن میں اللہ کے نبی ﷺ نے بتایا ہے کہ میں ان امور کو جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔ مثلاً بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ:

'' وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلاً ''(حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں، تو تم زیادہ روؤگے اور کم ہنسوگے۔''(۱)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

''يَآ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ !لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا أَعْلَمُ لَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا وَّ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلاً '' (حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے امت محمد! اگر تم ان چیزوں کو جان لو جن کو میں جانتا ہوں، تو تم زیادہ روؤگے اور کم ہنسوگے۔''(۲)

احمد، ترمذی اور ابن ماجہ تینوں حضرات نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے

(۱) بخاری:۶۱۴۶، احمد:۷۱۸۶ (۲) بخاری:۶۱۴۱، مسلم:۱۱۴۹۹

روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

" اِنِّیْ اَرٰی مَالَاتَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَاتَسْمَعُوْنَ" الخ (بلاشبہ میں ان چیزوں کو دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور ان چیزوں کو سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے)۔(۱)

ان احادیث سے صاف معلوم ہوا کہ اللہ کے نبی علیہ السلام کو خدا کی طرف سے وہ باتیں دکھائی اور سنائی جاتی ہیں جو عام انسان دیکھ اور سن نہیں سکتے، اسی کے عموم میں قبر کی آوازوں کا سن لینا بھی ہے، لہٰذا اس پر کسی قسم کا اشکال وارد نہیں ہوتا۔

ہاں البتہ اگر مؤلف و معترض حدیث کی حجیت کے منکر ہوں تو مسئلہ دیگر ہے، اور اس صورت میں ہم ان سے پہلے حجیتِ حدیث پر کلام کریں گے، پھر دوسری باتوں پر، اس لیے اگر وہ منکر حدیث ہیں تو صاف صاف اعلان کریں اور میدان میں آجائیں۔

پس اللہ کے نبی ﷺ کا انسان ہونا بھی حق، اور آپ کا اس کے باوجود قبر کی آواز کا سن لینا بھی برحق اور حدیث بھی اپنی جگہ بلاشبہ صحیح ہے، البتہ مؤلف کے خیالات و اعتراضات باطل اور حق سے دور ہیں۔

جانور کیوں بے ہوش نہیں ہوتے؟

مؤلف آگے مزید گلفشانی فرماتے ہیں کہ:

''یہ بات بھی غور طلب ہے کہ مردے کی آواز انسان سن لیں تو بے ہوش ہو جائیں، مگر دوسرے جانور سنتے ہیں، نہ بے ہوش ہوتے ہیں، نہ بھاگتے ہیں، اکثر قبرستانوں میں چوپائے چرتے ہیں اور پرندے بھی رہتے ہیں، مگر وہ مردوں کے چلانے سے نہیں ڈرتے۔(۲)

یہ اعتراض مؤلف کے قصورِ فہم و فتورِ عقل پر دلائل میں ایک اور دلیل کا اضافہ

(۱) احمد:۲۰۵۳۹، ترمذی:۲۲۳۴، ابن ماجہ:۴۱۸۰ (۲) شمع حقیقت:۳۲۱

ہے؛ کیونکہ یہ بات ایک معمولی عقل وسمجھ والا بھی جانتا ہے کہ ہر وہ چیز جس سے انسان بے ہوش ہوتا، بھاگتا اور گھبراتا ہے، کوئی ضروری نہیں کہ دیگر مخلوقات بھی اس سے اسی طرح متاثر ہوں۔ کیا یہ ہر انسان کا مشاہدہ نہیں ہے کہ ایک بہت بڑی بس (Bus) یا اور کوئی گاڑی فرّاٹے بھرتی گزرتی ہے تو انسان تو چمک پڑتا ہے اور گھبرا جاتا ہے مگر گدھے اور بیل پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جن چیزوں سے انسان متاثر ہوتا ہے، جانوروں کا ان سے متاثر ہونا ضروری نہیں۔

پھر بعض اوقات مختلف لوگوں نے ایسے واقعات بھی دیکھے ہیں کہ قبروں کے پاس سے جانور بھاگتے جا رہے ہیں اور چیختے چلاتے ہیں۔ چنانچہ ''مسلم شریف'' میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ بنی نجار کے ایک باغ میں سے خچر پر سوار گزر رہے، اچانک آپ کا خچر بدکنے لگا اور قریب تھا کہ وہ آپ کو گرا دے، دیکھا تو وہاں چھ یا پانچ یا چار چند قبریں تھیں۔ (۱)

علامہ ابن القیم نے لکھا ہے کہ عبدالحق اشبیلیؒ نے بیان کیا کہ فقیہ ابوالحکم بن برخان جو اہل علم وعمل میں سے تھے، انہوں نے مجھ سے بتایا کہ وہ اشبیلیہ کے قریب ایک گاؤں میں ایک مردہ کو دفن کرکے فارغ ہوئے اور ایک طرف بیٹھ کر باتیں کرتے رہے کہ اچانک ایک چوپایہ کو جوان کے قریب چر رہا تھا، دیکھا کہ وہ ایک قبر کی طرف جلدی سے لپکا اور اپنے کان اس پر رکھ دیا جیسے کچھ سننا چاہتا ہو، پھر وہاں سے بھاگ گیا، پھر قبر کی طرف آیا اور کان لگا کر سننے لگا، پھر بھاگ گیا اور اسی طرح کرتا رہا۔ علامہ ابوالحکم فرماتے ہیں کہ اس کو دیکھ کر مجھے عذاب قبر یاد آ گیا، اور اللہ کے رسول کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ عذاب قبر جانور سنتے ہیں۔ (۲)

(۱) مسلم: ۲/۳۸۷، احمد: ۲۰۶۷۱ (۲) کتاب الروح: ۵۳

ہسپتال کے مردے اور عذاب قبر

مؤلف ’’شمع حقیقت‘‘ لکھتے ہیں کہ:

’’ایک سوال یہ بھی ہے کہ ڈاکٹری کی تعلیم کے لیے جو مردے ہسپتال میں رکھے جاتے ہیں، ان کو منکر ونکیر کیوں نہیں اٹھاتے اور وہ زندہ ہوکر جوابات کیوں نہیں دیتے؟ ’’بخاری‘‘ کی روایت کے بموجب مردوں کو صبح وشام جنت ودوزخ دکھائی جاتی ہے کہ یہ تمہارا ٹھکانہ ہے تو ہسپتال کے مردے کس وقت دیکھتے ہیں؟‘‘۔(۱)

مؤلف کے اس اعتراض سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز مشاہدہ میں نہ آئے وہ ناقابل تسلیم ہے، لہٰذا جب مردے اٹھتے ہوئے اور جوابات دیتے ہوئے ہم کو دکھائی نہیں دیتے اور دیدے پھاڑ کر جنت ودوزخ دیکھتے ہوئے محسوس نہیں ہوتے تو ان کا اٹھنا، بیٹھنا، سوالات کے جوابات دینا اور جنت کو دیکھنا سب غلط اور ناقابل اعتبار باتیں ہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ اگر ہر چیز کے قابل تسلیم ولائق قبول ہونے کے لیے مشاہدہ کو معیار قرار دیدیا جائے گا تو بے شمار حقائق کا انکار لازم آئے گا جو کسی مومن سے نہیں ہوسکتا؛ اس لیے ہر چیز کے لیے مشاہدہ کو معیار بنانا خطرناک اور سنگین قسم کی غلطی ہے۔

یہاں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینے کی ہے کہ انسان کے مرنے کے بعد اس کا تعلق اس ظاہری اور دینوی عالم سے نہیں رہتا بلکہ اس کا تعلق ایک اور عالم سے ہوجاتا ہے جس کو عالم برزخ (اور عرف عام میں عالم قبر) کہتے ہیں۔ اب جو کچھ اس پر گزرتا ہے وہ دنیوی عالم میں نہیں بلکہ اس دوسرے عالم میں ہوتا ہے اور اس دوسرے عالم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے عام انسانوں سے مخفی رکھا ہوا ہے؛

---

(۱) شمع حقیقت:۳۲۱

لہٰذا اس پر اچھا یا بُرا جو کچھ گزرتا ہے، اس کا اس دنیا میں مشاہدہ عام طور پر نہیں ہوتا، مردہ ہمارے سامنے ہوتا ہے اور اس پر عذاب یا راحت کا معاملہ ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود چونکہ یہ معاملہ عالم برزخ کا ہے اس لیے ہم کو محسوس و مشاہد نہیں ہوتا۔

اس کی ایک مثال تقریب فہم کے لیے یہ ہے کہ انسان سوتا ہے اور عالم یقظہ (بیداری) سے عالم نوم (سونے کے عالم) کو پہنچ جاتا ہے، اور اس دوسرے عالم (سونے کے عالم) میں وہ خواب کے اندر کبھی اچھی اور دل خوش کن باتیں اور کبھی اذیت ناک و تکلیف دہ امور کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس عالم میں دوسروں سے سنتا اور گفتگو کرتا ہے، کبھی دوڑتا، مارتا، کھاتا، پیتا ہے، اور اسی کے پاس بیٹھے ہوئے افراد کو جو عالم یقظہ میں ہیں اس دوسرے عالم کی کوئی خبر نہیں ہوتی اور بسا اوقات اس کی بتائی ہوئی باتیں سچ و حق ظاہر ہوتی ہیں۔

اس مثال سے عالمِ برزخ اور عالمِ دنیا کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے، نیز اُس عالم کی بہت سی باتوں کے ہمارے مشاہدہ میں نہ آنے کی بات قریب الفہم ہو جاتی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مردہ ہمارے درمیان رہتے ہوئے بھی دوسرے عالم میں ہے جیسے سونے والا ہمارے درمیان میں ہوتے ہوئے بھی دوسرے عالم میں ہوتا ہے اور جس طرح وہ بہت سی اچھی اور بری باتیں محسوس کرتا اور اٹھتا، بھاگتا، کھاتا پیتا ہے اور اس کی ان حرکات کو بازو بیٹھے ہوئے لوگ محسوس نہیں کر پاتے، اسی طرح عالم برزخ میں گزرنے والے حالات کا علم مردہ تو محسوس کرتا ہے مگر اِس عالم دنیا کے لوگ محسوس نہیں کرتے۔ اللہ تعالے نے دنیا میں اس مثال کو رکھکر عالم برزخ پر ایمان ویقین کی راہ ہموار کر دی ہے اور اس طرح کے وسوسوں کا قلع قمع کر دیا ہے۔ ہاں جو سوءِ فہم کے شکار ہوں ان کے لیے تو بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ:

وَکَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلاً صَحِیْحاً
بہت سے لوگ صحیح بات پر بھی نکتہ چینی کرتے ہیں
وَآفَتُهٗ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِیْمِ
اس میں آفت بیمار عقل کی طرف سے آتی ہے

کیا قرآن عقیدۂ عذاب قبر کی نفی کرتا ہے

صاحب ''شمع حقیقت'' نے اپنے مضمون کے آخر میں دعوی کیا ہے کہ قرآن اس (عذاب قبر کے) عقیدے کی نفی کرتا ہے، پھر اسکے بعد اور ابتداء مضمون میں بھی قرآن کی چند آیات سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ عذاب قبر کوئی چیز نہیں۔(۱)

ہم یہاں پر مؤلف کے استدلال کے وزن اور ان کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لیں گے۔

کیا قبر میں زندگی ملتی ہے؟

صاحب ''شمع حقیقت'' نے لکھا ہے کہ:

''کافر اس پر یقین نہ رکھتے تھے کہ مرنے کے بعد انسان کو دوبارہ زندگی نصیب ہوگی، وہ دریافت کرتے تھے کہ ان بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جس نے پہلے پیدا کیا تھا وہی دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے''، اس جواب سے واضح ہوگیا کہ انسان کو دو زندگیاں عطا کی گئی ہیں اور اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبر میں کوئی مردہ زندہ نہیں ہوتا، اگر قبر میں مردہ زندہ ہو، اس پر عذاب

(۱) شمعِ حقیقت: ۳۲۲

قبر ہوتا رہے، یا قبر میں ثواب وراحت کا یقین کرلیا جائے تو قیامت کے دن زندہ کرنے کا وعدہ غلط ہوجائے گا۔(۱)

ہم نے مؤلف کی عبارت کو (دوسرے مواقع کی طرح اس جگہ بھی) بلا کم وکاست نقل کردیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر صاحب عقل وفہم اس کو پڑھ کر مؤلف کے عقل وفہم کی ضرور داد دے گا۔

آخر غور تو کیجئے کہ کفار مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کو محال وناممکن خیال ہوتے ہوئے جب یہ سوال کرتے ہیں کہ ہماری وہمارے آباء واجداد کی گلی سڑی اور بوسیدہ ہڈیوں کو کون اور کیسے زندہ کریگا؟ تو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ ''وہی جس نے اور جیسے تم کو پہلے پیدا کیا تھا، مرنے اور گل سڑ جانے کے بعد بھی پیدا کرے گا''، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ قیامت میں انسانو ں کو زندہ کیا جائے گا اور زندگی خدا تعالیٰ اپنی قدرت سے عطا کرے گا۔ اس میں اس سے پہلے قبر میں زندہ کرنے کی نفی نہیں ہے اور نہ صرف دو زندگیوں کا کوئی ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ یہ مؤلف کی ناسمجھی کی کرشمہ سازی ہے۔

جیسے کوئی کہے کہ میں رات یہ کام کروں گا، تو اس کا مطلب یہ نکالنا کہ دن میں یہ کام وہ نہیں کرے گا، محض لغو ہے۔ اسی طرح ''قیامت میں خدا انسان کو زندہ کرے گا'' کا مطلب یہ نکالنا کہ قبر میں زندہ نہ کرے گا، محض لغو بات ہے۔

اور مؤلف نے ''دوبارہ'' کے لفظ سے جو دو زندگیاں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، یہ بھی محض غلط ہے؛ کیونکہ اولاً تو قرآن کی اس آیت میں کسی لفظ کا بھی ترجمہ ''دوبارہ'' نہیں ہے، لہٰذا جو قرآن میں نہ ہو اس کو لے کر کسی چیز کو ثابت کرنا محض غلط

شمع حقیقت: ۳۱۹

بلکہ جہالت ہے، دوسرے ''دوبارہ'' کا مطلب ''دو ہی بار'' لینا بھی غلط ہے اور اردو محاورہ سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے، اگر کسی بھی ''لغات'' سے اس کے معنے معلوم کر لیتے تو یہ غلط فہمی نہ ہوتی۔ لیجئے ''فرہنگِ آصفیہ'' میں لفظ ''دوبارہ'' کے یہ معانی لکھے ہیں: ''دوسری مرتبہ، مکرر، پھر''۔(۱)

اس کا مطلب یہ ہوا کہ دوبارہ کے مختلف معانی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کام کو مکرر یعنی بار بار کیا جائے، اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ معنے دسیوں دفعہ بھی کسی کام کے کرنے پر بولا جا سکتا ہے، اس کے معنے صرف دو بار کرنے کے لینا محاورہ سے ناواقفیت ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ کیا قبر میں بھی انسان کو زندہ کیا جاتا ہے؟ اس کا جواب ہم مؤلف کی پیش کردہ دوسری آیت اور اس سے استدلال کے جواب میں بتائیں گے۔

انسان کو کتنی زندگیاں ملتی ہیں؟

مؤلفِ ''شمع حقیقت'' نے آگے لکھا ہے کہ:

''آیات حج: ۲۲:۷، اور مومنون: ۲۳:۱۵،۱۶ سے واضح ہے کہ انسان کو دو زندگیاں دی گئی ہیں، دنیا کی زندگی اور آخرت کی زندگی، پھر قبر کی زندگی کے کیا معنی؟۔(۲)

افسوس کہ مؤلف نے جن آیات کا حوالہ دیا ہے ان سے مذکورہ مطلب کن الفاظ سے کشید فرمایا ہے، اس کی وضاحت نہیں پیش کی ہے، لہٰذا مؤلف کے بیان کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے ہمیں اولاً ان محولہ بالا آیات کو پیش کرنا ہوگا، پھر ان کے استدلال پر نظر ڈالنی ہوگی۔

فرہنگ آصفیہ: ۲/۹۴۱ (۲) شمع حقیقت: ۳۱۹

لیجئے،سورۂ حج کی جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ یہ ہے:

﴿ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّارَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ [الحج:۷]

(بلاشبہ قیامت آنے والی ہے،اس میں شک نہیں اور بے شک اللہ قبر والوں کو اٹھائے گا)

اور سورہ مومنون کی جن آیات کا حوالہ دیا ہے،وہ یہ ہیں:

﴿ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ، ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُوْنَ﴾ [المؤمنون:۱۵،۱۶]

(پھر اس کے بعد تم مرنے والے ہو اور پھر قیامت کے دن تم اٹھائے جاؤ گے)

ان میں سے پہلی آیت میں قبر والوں کو اٹھانے اور دوسری آیت میں قیامت کے دن اٹھائے جانے کا ذکر ہے،دوسری آیت سے صرف یہ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سب لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔اس سے کسی طرح یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس سے قبل قبر میں زندگی نہ دی جائے گی،جیسا کہ اس سے قبل ہم نے مؤلف کے اسی طرح کے ایک استدلال پر واضح کر دیا ہے؛ کیونکہ عدم ذکر سے ذکر عدم لازم نہیں آتا۔اور پہلی آیت میں جو آیا ہے کہ قبر والوں کو اٹھایا جائے گا،مؤلف نے غالباً اس سے اس طرح استدلال کیا ہے کہ زندہ کرنے کا تعلق مُردوں سے ہی ہونا چاہئے،جب اللہ تعالیٰ قبر والوں کو زندہ کرنے کا ذکر کر رہے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ قبر والے مردہ ہیں، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ قبر میں زندگی نہیں ملتی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ استدلال صحیح نہیں ہے:ایک تو اس وجہ سے کہ قرآن نے یہاں

"**بعث**" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے اصل معنی یا تو ارسال یعنی بھیجنے کے ہیں یا "**اثارۃ الشیء**" (یعنی کسی چیز کو اٹھانے اور اپنی جگہ سے حرکت دینے) کے ہیں۔(۱)

ارسال کے معنی میں اس کا استعمال قرآن نے کثرت کے ساتھ کیا ہے اور اٹھانے کے معنی میں بھی اس کا استعمال آیا ہے، جیسے اصحاب کہف جو سوئے ہوئے تھے، ان کو جگانے اور اٹھانے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:﴿ **وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ** ﴾[الکہف:۱۹] پس زیر بحث آیت میں بھی یہی معنی مراد ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو قبروں سے اٹھائے گا، اس کے لیے مردہ ہونا کوئی ضروری نہیں۔

دوسرے اس وجہ سے یہ استدلال غلط ہے کہ اس لفظ کو زندہ کرنے کے معنی میں بھی لیا جائے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قبر والوں کو کسی طرح کی بھی کوئی زندگی حاصل نہیں ہوتی، پس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ قبر کی زندگی کی نوعیت، قیامت کے دن کی زندگی سے مختلف ہوتی ہے ؛ لہٰذا قبر والوں کو زندہ کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ قبر والوں کو قیامت والی زندگی دی جائے گی۔ جیسے سونے والے اور بیدار انسان کی زندگیوں میں فرق ہے کہ زندہ ہونے میں دونوں شریک ہیں، مگر دونوں کی زندگیوں میں فرق عظیم ہے، کہ بیدار انسان خود چلتا پھرتا اور اپنا کام کرتا ہے، مگر سونے والا زندہ ہونے کے باوجود ان کاموں کی صلاحیت نہیں رکھتا، حتیٰ کہ اس کے ظاہری حواس مردہ کی مانند معطل ہوتے ہیں۔ اسی طرح قبر والوں کی زندگی اور آخرت کے دن کی زندگی میں فرق ہے؛ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان قبر والوں کو آخرت کے دن والی زندگی دی جائے گی، جو ان کو قبر میں حاصل نہیں تھی، اور اسکا یہ مطلب لینا اس لیے ضروری ہوا کہ متعدد احادیث سے بلکہ خود قرآن سے اہل قبور کی ایک زندگی کا ثبوت ہوتا ہے۔

(۱) قرطبی:۱/۴۰۴

مثلاً شہداء کے متعلق ایک سے زائد مقامات پر تصریح قرآن میں موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں، ایک جگہ فرمایا گیا کہ:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ، بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِن لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾ (اور جو لوگ اللہ کے راستے میں قتل کر دئے گئے ان کو مردے نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو اس کا شعور نہیں ہے) [البقرۃ:]، ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ: ﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ﴾ (بلکہ وہ تو اپنے رب کے نزدیک زندہ ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے) [آل عمران:۱۶۹]

معلوم ہوا کہ اللہ کے راستے میں شہادت پانے والے لوگ اللہ کے نزدیک مردہ نہیں اور اس لیے ان کو مردہ کہنا جائز نہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کو اللہ کی جانب سے رزق بھی دیا جاتا ہے، خواہ اس زندگی کی نوعیت و کیفیت کچھ بھی ہو، اور خود مؤلف کو بھی اس کا اقرار ہے؛ چنانچہ (شمع حقیقت:۲۶۹) میں مؤلف نے شہداء کی زندگی کا اعتراف کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اہل قبور میں شہداء داخل ہیں یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ داخل ہیں اور اہل قبور کو قیامت کے دن زندہ کرنے کا ثبوت خود مؤلف اوپر پیش کر چکے ہیں، تو اب سوائے اس کے اور کیا صورت ہے کہ شہداء کی قبر کی زندگی کو بھی تسلیم کیا جائے اور ان کو قیامت میں زندہ کرنے کو بھی مانا جائے۔ بس اتنا تاویلاً کہنا ہوگا کہ دونوں زندگیوں میں فرق ہے؛ اور ہم اہل سنت اسی کے قائل ہیں۔

نیز حضرت براء بن عازبؓ کی ایک طویل حدیث میں جس کو اوپر ہم نے ذکر بھی کیا ہے، اللہ کے نبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب مومن کی روح کو فرشتے لے کر خدا کے پاس جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ: '' أَعِيْدُوْهُ إِلَى الْأَرْضِ

فَإِنِّي مِنْهَا خَلَقْتُهُمْ وَ فِيهَا أُعِيدُهُمْ وَ مِنْهَا أُخْرِجُهُمْ تَارَةً أُخْرٰی "(اس کو زمین کی طرف لوٹادو؛ کیونکہ میں نے اسی زمین سے ان کو پیدا کیا تھا اور اسی میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ پیدا کروں گا) اس پر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹادی جاتی ہے، اسی طرح کافر کی روح کے متعلق بھی فرمایا گیا ہے، پھر قبر کے احوال کا تذکرہ کیا ہے۔(۱)

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں کہ اس کو امام احمد، ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور اس کے ابتدائی حصہ کو نسائی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور ابوعوانہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔(۲)

اس حدیث کو بعض لوگوں جیسے ابن حزمؒ نے ضعیف کہا ہے؛ کیونکہ اس کا راوی منہال بن عمرو ضعیف ہے اور اس نے تنہا اس کو روایت کیا ہے، مگر حق یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؛ کیونکہ اولاً منہال راوی ضعیف نہیں ہے، ابن معین، عجلی، نسائی، ابن حبان، ابن القطان اور دارقطنی وغیرہ نے منہال کی توثیق، تصدیق وتعریف کی ہے۔ اوران پر جو بڑی سے بڑی جرح کی گئی ہے وہ صرف یہ ہے کہ ان کے گھر سے بعض لوگوں نے گانے کی آواز سنی تھی، مگر علماء نے بتایا ہے کہ گانے کے حد حرمت کو نہ پہنچنے کی صورت میں ان پر جرح نہیں کی جاسکتی اور یہاں ان کا حد حرمت کو پہنچنا ثابت نہیں ہے۔(۳)

ثانیاً یہ روایت انہی پر موقوف ومنحصر نہیں ہے، بلکہ متعدد طرق سے حضرت براء بن عازبؓ سے آئی ہے، چنانچہ حضرت براء سے ایک توزاذان نے روایت کیا ہے جن سے منہال نے روایت کیا ہے۔ دوسرے حضرت براء سے عدی بن ثابت، محمد بن عقبہ اور مجاہد نے بھی روایت کیا ہے۔ اس کو ابن القیم نے ذکر کرکے آخر میں

---

(۱) مسند احمد: ۱۷۸۰۳ (۲) کتاب الروح: ۴۳ (۳) تہذیب التہذیب: ۳۲۰/۱۰

فرمایا ہے کہ

''یہ حدیث ثابت، مشہور و مستفیض ہے جس کی حفاظِ حدیث کی ایک جماعت نے تصحیح کی ہے اور ہم کسی امام کو ائمہ حدیث میں سے نہیں جانتے جس نے اس حدیث میں جرح کی ہو، بلکہ انہوں نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا اور اس کو قبول کیا اور عذاب قبر، راحت وثواب قبر، منکر نکیر کے سوال وجواب اور قبض ارواح اور خدا کے پاس روحوں کے پیش کرنے اور پھر روح کے قبر کی طرف لوٹ جانے کے بارے میں اس حدیث کو اصل دین قرار دیا ہے۔(۱)

الغرض قرآن اور حدیث بلکہ ایک حدیث نہیں متعدد احادیث (جن کو ابن القیمؒ نے ''کتاب الروح'' میں نقل کیا ہے) سے ثابت ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں بھی ایک قسم کی زندگی ملتی ہے، لہٰذا لامحالہ قبر والوں کو زندہ کرنے کا مطلب یہی ہے کہ قبر کی زندگی کے علاوہ دوسری زندگی عطا کی جائے گی، اور یہی تمام اہل سنت کا مذہب ہے۔

علامہ ابن قیم نے حضرت براء کی حدیث پیش کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ:

"ذهب إلى القول بموجب هذالحديث جميع أهل السنة والحديث من سائر الطوائف "(اس حدیث کے موافق قول کی طرف تمام اہل سنت واہل حدیث کی جماعتیں گئی ہیں)۔(۲)

اس تفصیل سے ثابت ہوگیا کہ مؤلف کی پیش کردہ آیات سے ان کا مدّعیٰ ومقصد حاصل نہیں ہوتا بلکہ قرآن وحدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں بھی ایک خاص قسم کی زندگی ملتی ہے۔ پس اسی زندگی کی وجہ سے قبر کا عذاب یا راحت وثواب مردوں کو محسوس ہوتا ہے۔

(۱) کتاب الروح: ۴۸ (۲) کتاب الروح: ۴۳

صرف دو زندگیاں: دلیل اور جواب

رہا یہ سوال کہ انسان کو کتنی زندگیاں ملتی ہیں؟ مؤلف نے جو آیات ''دو مرتبہ زندگی'' کے لیے پیش کیں ان سے تو اس پر کوئی روشنی نہیں پڑتی جیسا کہ ہم نے وضاحت سے بیان کر دیا ہے، ہاں بعض اور آیات سے عذاب قبر کی نفی کرنے والوں نے استدلال کیا ہے، معلوم نہیں کہ مؤلف کی نظر سے یہ آیات چوک گئیں یا یہ کہ کسی خاص مصلحت کی بنا پر ان کو نظر انداز کر دیا؟ ہم چاہتے ہیں کہ ان آیات پر بھی روشنی ڈال دیں تا کہ بات پوری ہو جائے۔

ان منکرین عذاب قبر نے ایک تو اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْن﴾ [البقرۃ :۲۸]

(اور تم اللہ کا کیسے انکار کرتے ہو جب کہ تم مردہ تھے اس نے تم کو زندگی دی، پھر وہ تم کو موت دے گا، پھر تم کو زندہ کرے گا، پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے)

اس آیت میں دو بار موت کا اور دو بار زندگی کا ذکر ہے، ایک موت اس وقت جبکہ انسان حالت عدم میں تھا، دوسری موت وہ جو دنیا میں پیش آتی ہے، اور ایک زندگی وہ جو دنیا میں ملتی ہے اور دوسری وہ جو آخرت میں دی جائے گی۔

اس سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں کہ قبر میں انسان کو زندہ نہیں کیا جائے گا؛ کیونکہ اگر قبر کی زندگی کو بھی مانا جائے تو زندگیاں دو کے بجائے تین ہو جاتی ہیں، لیکن ان کا یہ استدلال کئی وجوہ سے صحیح نہیں، ایک تو اس وجہ سے کہ اس آیت میں '' ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ '' فعل ہے اور فعل اس کام کے ایک مرتبہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا، جیسے مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ ''زید کھائے گا'' تو اس سے یہ مطلب نہیں لیا جا سکتا کہ وہ

ایک مرتبہ کھائے گا، لہٰذا اس لفظ سے یہ معنی کیسے لیا جا سکتا ہے کہ اللہ موت کے بعد صرف ایک مرتبہ زندہ کرے گا؟ لہٰذا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد پھر اللہ تم کو پیدا کرے گا، خواہ ایک بار یا کئی بار، دونوں اس سے مراد ہو سکتے ہیں، ایک ہی مرتبہ کا مفہوم اس سے لینا خلاف اصل ہے۔

دوسرے اگر بالفرض یہ مان لیں کہ اس آیت میں صرف دو بار زندہ کرنے کا ذکر ہے تو اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا معلوم ہوا کہ انسان دو بار زندہ کیا جائے گا، مگر اس سے زائد کی نفی کی کیا دلیل ہے؟ ہم نے اوپر بھی ذکر کیا تھا کہ ایک عدد اس سے زائد کی نفی نہیں کرتا، لہذا یہ کہا جائے گا کہ اس آیت میں دو بار زندہ کئے جانے کا ذکر ہے اور دیگر مواقع پر اس سے زائد کا ذکر ہے۔

تیسرے یہ کہ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالے نے قبر کی زندگی کا اس آیت میں ذکر نہیں کیا ہے مگر عدم ذکر سے عدم وجود پر استدلال باطل ہے، اور عدم ذکر مختلف وجوہ سے ہو سکتا ہے، مثلاً ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قبر کی زندگی دراصل آخرت کی زندگی میں شمار ہے، لہذا اس کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی، ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ قبر کی زندگی ایک مخفی امر ہے اور اس آیت میں اللہ کی الوہیت کا اثبات مقصود ہے اور اس کی دلیل میں واضح وجلی امور کا پیش کرنا مناسب ہوتا ہے، لہٰذا قبر کی زندگی کا ذکر یہاں مناسب نہیں تھا، اس لیے ذکر نہیں کیا، اور ایک وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ قبر کی زندگی دنیا کی حیات کی طرح نہیں ہوگی اور نہ آخرت کی حیات کے مانند ہوگی، بلکہ یہ ایک خواب جیسی حالت ہوگی جس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ یا آخرت کی زندگی کا مقدمہ کہا جا سکتا ہے، اس لیے اس کو الگ حیثیت سے ذکر نہیں کیا گیا۔

الحاصل اس آیت سے اس بات پر استدلال کرنا قطعاً بے بنیاد ہے کہ قبر میں زندگی نہ ہوگی اور نہ عذاب ہوگا نہ ثواب۔

دوسری آیت جس سے یہ لوگ استدلال کرتے ہیں یہ ہے:

﴿رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَ أَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ ، فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا ، فَهَلْ إِلٰى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ﴾ [الغافر: ۱۱]

(کافر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! آپ نے ہمیں دو بار موت دی اور دو بار زندہ کیا، پس ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟)

یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس آیت میں قیامت کے دن کفار کی زبان سے نکلنے والے جملے نقل کئے گئے ہیں جن میں وہ اللہ سے قیامت کے دن کہیں گے کہ اے اللہ! آپ نے ہم کو دو بار موت دی اور دو بار زندگی دی ،اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دو بار ہی موت بھی آتی ہے اور دو بار ہی زندگی بھی دی جاتی ہے ،لہٰذا قبر کی زندگی کو تسلیم کرنا اس آیت کے خلاف کی طرف لیجاتا ہے۔

اس کا جواب بھی یہی ہے کہ اس سے تو دو بار کی موت وحیات کا علم ہوتا ہے مگر اس سے زائد کی نفی نہیں ہوتی ،دوسرے قبر کی زندگی آخرت کے تابع ہونے یا اسکا مقدمہ ہونے کی بنا پر اس کو مستقل طور پر ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔لہذا اس سے عذاب قبر کی نفی پر استدلال بعید بلکہ ابعد ہے۔

پھر اگر ان آیات سے اس لیے حیات برزخ وعذاب برزخ کی نفی ہوتی ہے کہ ان آیات میں صرف دو موتوں اور دو حیاتوں کا ذکر ہے تو اس کا کیا جواب ہے کہ خود قرآن نے کئی لوگوں کو تین بار کی حیات دینے کا ذکر کیا ہے،مثلاً:

(۱) قرآن نے ایک شخص کا واقعہ ذکر کیا کہ اللہ نے ان کو موت دیدی اور ایک سوسال کے طویل عرصہ کے بعد اللہ نے اپنی قدرت قاہرہ سے ان کو زندہ کیا اور پوچھا کہ تم اس حال میں کتنا عرصہ رہے؟ تو کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم، اللہ نے ان کو بتایا کہ نہیں بلکہ تم اس حال میں سوسال رہے۔ (البقرۃ:۲۵۹)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ شخص جن کا قرآن نے ذکر کیا ہے حضرت عزیر علیہ السلام تھے، بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کو موت دی پھر ایک سو سال کے بعد زندہ کیا، کیا یہ قرآن کے مطابق تیسری موت اور تیسری زندگی نہیں؟

(۲) اسی طرح بنی اسرائیل کے واقعات میں قرآن نے بتایا ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ آدمیوں کو جو اللہ کو برسرعام کھلی آنکھوں سے دیکھے بغیر ایمان لانے کو تیار نہیں تھے، اللہ نے بجلی کے ذریعہ ہلاک کیا اور پھر حضرت موسیٰ کی سفارش پر ان کو زندہ کیا۔ (البقرۃ:۵۵-۵۶)

(۳) نیز بعض لوگوں کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ موت کے ڈر سے اپنے شہر کو چھوڑ کر نکل گئے اور ان کی تعداد ہزاروں کی تھی، اللہ نے ان کو موت دیدی پھر ان کو زندہ کیا۔ (البقرۃ:۲۴۳)

یہ سارے بیانات قرآن کریم کے ہیں، اب کیا اس لیے ان آیات میں مذکور واقعات کو جھٹلایا جائے گا کہ قرآن کے بعض مقامات سے انسان کے لیے صرف دو موت و دو حیات ہی ثابت ہیں؟ نہیں، بلکہ یہ کہا جائے گا کہ ان آیات میں دو موت و دو حیات سے وہ مشہور حیات و موت مراد ہیں، باقی دو سے زائد موت و حیات کی اس سے نفی نہیں ہوتی۔

کیامُر دے سنتے ہیں؟

مؤلف نے اپنے مضمون کے آخری حصہ میں عذاب قبر کی نفی پر قرآن سے استدلال کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے، یہ آیت پیش کی ہے: ﴿وَمَاأَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (جولوگ قبروں میں ہیں تم ان کوسنانہیں سکتے) [الفاطر:۲۲] پھراس سے یہ نتیجہ خود ہی اخذ کیا ہے کہ ''جب قبر میں مردہ سن نہیں سکتا تو اس پرعذاب قبر کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا۔''(۱)

میں کہتا ہوں کہ شاید ایسے ہی موقعہ کے لیے کہا گیا ہے ''مارے گھٹنا، پھوٹے آنکھ''، حیرت ہوتی ہے کہ اس قدر بدیہی امور بھی کس طرح لوگوں کے لیے نظری بن جاتے ہیں۔

اس آیت کے سلسلہ میں سب سے پہلے اس بات پرغور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں کہ تم قبر والوں کوسنانہیں سکتے۔اور مؤلف کے بقول اس کا مطلب یہ ہوا کہ مردے ہماری بات سن نہیں سکتے، بالفرض ہم اس کو مان بھی لیں تب بھی کئی وجوہ سے مؤلف کا اس سے عذاب قبر کی نفی پراستدلال باطل ہے:

ایک تو اس لیے کہ اگر مردے اس دنیا کے لوگوں کی بات نہیں سن سکتے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ وہ فرشتوں کا کلام بھی نہیں سن سکتے، ہم لوگ دنیا سے عالم برزخ کی قوم کوسنا نہ سکیں تو اس سے یہ مطلب لینا کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ خود اسی عالم میں موجود فرشتے بھی اپنا کلام ان کوسنانہیں سکتے؟ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ تم یہاں انڈیا سے لندن میں بسنے والوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتے اور مؤلف کی طرح کوئی اس کا یہ مطلب لے کہ خود لندن میں رہنے والے لوگ بھی لندن میں رہنے والوں کوسنانہیں سکتے۔فیاللعجب!

(۱) شمعِ حقیقت:۳۲۲

اور اگر یہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ فرشتوں کی بات بھی نہیں سن سکتے تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے کان کام نہیں کرتے، مگر یہ کہاں سے ثابت ہوا کہ ان کے اور مشاعر وحواس بھی باطل ہو چکے اور ان کو کسی بھی قسم کی حس نہیں ہے۔ جب تک مؤلف یہ ثابت نہ کردیں گے، اس وقت تک اس آیت سے ان کو استدلال کرنے کا حق نہیں ہوسکتا۔

اور یہ سب بھی اس صورت پر ہے کہ ہم مؤلف کی یہ بات تسلیم کرلیں کہ اس آیت سے مردوں کے سننے کی نفی ہوتی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک آیت کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ''اہل قبور کو آپ اس طرح نہیں سنا سکتے جس سے وہ نفع حاصل کرسکیں''۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ علی الاطلاق مردوں کے سننے کی نفی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ سننا جس سے نفع حاصل ہو، اس کی نفی کی گئی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ مردوں کے سننے پر کوئی دلیل ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ ہاں، اس پر متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱)''عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : اَلْعَبْدُ اِذَا وُضِعَ فِیْ قَبْرِہٖ وَتَوَلّٰی وَذَھَبَ اَصْحَابُہٗ حَتّٰی اَنَّہٗ لَیَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِھِمْ الخ''. (۲)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ اپنی قبر میں رکھدیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس ہونے لگتے ہیں تو وہ ان کے جوتوں کی آواز کو سنتا ہے۔ الخ)

(۱) کتاب الروح: ۴۵ (۲) بخاری: ۱/۱۷۸، مسلم: ۲/۳۸۶

(۲)''عَنْ اَنسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ قَالَ : ...... فَانْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ حَتّٰی انْتَھٰی اِلَیْھِمْ ، فَقَالَ : یَا فُـلَانُ بْنُ فُلَانٍ وَیَا فُلَانُ بْنُ فُلَا نٍ ھَلْ وَجَدْتُمْ مَاوَعَدَکُمُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ حَقًّا ، فَاِنِّیْ قَدْ وَجَدْتُ مَاوَعَدَنِیَ اللّٰہُ حَقًّا، قَالَ عُمَرُ : یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! کَیْفَ تُکَلِّمُ اَجْسَادًا لَا اَرْوَاحَ فِیْھَا ؟ قَالَ: مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُوْلُ مِنْھُمْ غَیْرَ اَنَّھُمْ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ اَنْ یَرُدُّوْا عَلَیَّ شَیْئاً ''.(۱)

(حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اورحضرت عمررضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل بدر کفار کی نعشوں کورسول اللہ ﷺ نے خطاب فرمایا کہ اے فلاں اے فلاں، کیا تم نے وہ پالیا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا(یعنی عذاب) ؟اس پرحضرت عمر نے پوچھا کہ یارسول اللہ! یہ تو مرگئے، یہ کیسے سنیں گے، آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میری باتوں کوان سے زیادہ نہیں سن سکتے، مگر یہ کہ وہ لوگ جواب نہیں دے سکتے)

(۳) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان (صحابہ) کوقبرستان کی طرف جانے کی صورت میں تعلیم دیتے تھے کہ (یوں کہو) ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ أَھْلَ الدِّیَارِمِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰہَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَۃَ ''۔(۲)

ان میں سے پہلی دوروایتوں سے صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ مردے سنتے ہیں اورتیسری روایت سے پتہ چلتا ہے کہ مردوں کو بصیغہ خطاب سلام کرنا چاہئے اورظاہر ہے کہ جب وہ سنتے ہیں تبھی تو یہ صیغہ استعمال کرنے کا حکم ہے، ورنہ یہ خطاب مع

(۱)مسلم:۲/۳۸۷(۲)مسلم:۱۶۲۰،مشکوۃ:۱۵۴

الجماد ہوگا جس کی تعلیم اسلام نہیں دے سکتا۔

پس معلوم ہوا کہ مردہ سنتا ہے، اس لیے ہم قرآن مجید کی آیت کا وہ مطلب نہیں لیتے جو مؤلف نے لیا ہے، اور اگر وہ مطلب بھی لیا جائے تب بھی جیسا کہ عرض کر چکا ہوں، عذاب قبر کی نفی پر اس سے استدلال غلط ہے۔

تحریفِ قرآن کا ایک نادر نمونہ

مردوں کے نہ سننے اور اس کے نتیجے میں عذاب قبر کے نہ ہونے پر مؤلف نے ایک اور آیت سے بھی دلیل لی ہے، اور وہ یہ ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْامِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾[الاحقاف: ۵]

(اوراس سے زیادہ گمراہ کون ہوگا جو اللہ کو چھوڑ کر ان کو پکارتا ہے جو اس کو قیامت تک جواب نہیں دے سکتے اور وہ ان کی دعا سے غافل ہیں)

مؤلف نے اس سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ اس آیت میں مردوں کو غافل اور جواب نہ دینے والے بتایا ہے۔ معلوم ہوا کہ مردے سنتے نہیں اور جب سنتے نہیں تو ان پر عذاب کا سوال ہی نہیں، مگر مؤلف کا یہ بیان کئی وجہ سے باطل ہے:

اولاً : اس لیے کہ مردوں کے ہماری بات نہ سننے اور جواب نہ دے سکنے سے، ان کے تمام حواس کا باطل و معطل ہونا ثابت نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے عذاب قبر نہ ہونے پر استدلال غلط ہے جیسا کہ اوپر بھی واضح کر چکا ہوں۔

ثانیاً : اس لیے کہ آیت کریمہ میں جن کے بارے میں غافل ہونے اور جواب نہ دے سکنے کی بات کہی گئی ہے، اس سے مراد مردے نہیں بلکہ بُت اور معبودان باطلہ ہیں، اور مقصد آیت کا یہ بتانا ہے کہ جو لوگ خدا کو چھوڑ کر من گھڑت

خداؤں کی پوجا کرتے اوران سے دعا کرتے ہیں، وہ سب سے بڑے گمراہ لوگ ہیں،اور یہ بُت ان کو جواب تو کیا دیتے،ان کی باتوں سے غافل ہیں۔

ثالثاً: اگر نہ سننے والوں سے مراد صرف بُت نہیں بلکہ وہ سب معبودان ہیں جن کی وہ عبادت کرتے ہیں جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وغیرہ تب تو آیت میں مردوں کی تخصیص نہیں بلکہ حضرت عیسیٰؑ جو کہ زندہ ہیں، ان کو بھی اسی طرح پکارنا ممنوع ہے۔تو کیااس سے مؤلف یہ کہیں گے کہ عیسیٰ سنتے نہیں؟غور کیجئے!!

مؤلف کے ایک اور استدلال پر نظر

مولف نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''اسی مٹی سے ہم نے تمہیں پیدا کیا، اسی میں ملادیں گے اور پھر اسی سے تمہیں اٹھائیں گے ۔ (طٰہٰ:۵۵)،اس سے واضح ہوا کہ مردے کا مٹی میں مل کر مٹی ہو جانا درست ہے،تا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اپنی قدرت سے پھر اٹھائے، اگر مردہ قبر میں زندہ رہے(جیسا کہ عقیدہ ہے) تو وہ اس دوسری زندگی سے محروم ہو جائے گا،جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔[1]

مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ مرنے کے بعد کسی بھی قسم کی زندگی مرنے والے کو حاصل نہیں ہوتی اور جب زندگی نہیں تو عذاب وثواب،کلفت وراحت اس کو کیسے حاصل ہوسکتی ہے،لہٰذا قبر کے عذاب وثواب کا عقیدہ غلط ہے۔اورقبر کی زندگی کی نفی ثابت کرنے کے لیے مؤلف نے سورۂ طٰہٰ کی درج بالا آیت کا سہارالیا ہے،مگراس سے استدلال بھی باطل ہے؛ کیونکہ آیت کا حاصل صرف یہ ہے کہ انسان کواللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا ہے اور پھر اسی مٹی میں اس کولوٹا دیں گے اوراسی مٹی سے اس

---
(۱)شمع حقیقت:۳۲۰

کوقیامت کے دن اٹھائیں گے۔اس سے کس طرح یہ ثابت ہوا کہ مٹی میں اسکولوٹانے کے بعد،کسی قسم کی زندگی نہیں ملتی؟

حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی آیت کا حوالہ دیکر فرشتوں سے فرمائیں گے کہ اس کی (بندے کی) روح کو زمین میں لوٹادو؛ کیونکہ ہم نے اس کو جس طرح مٹی سے پیدا کیا ہے،اسی طرح ہم اسی سے اس کو اٹھائیں گے۔(یہ حدیث براء بن عازب اوپر گزر چکی ہے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح کو بھی اسی مٹی سے جسم کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

معلوم ہوا کہ جسم کے ساتھ روح بھی مٹی میں رہتی ہے،اور جب روح رہتی ہے تو حیات ثابت ہوگئی،گویا اس حدیث نے مذکورہ آیت کی تفسیر کردی،اور حدیث پاک کی تفسیر کے خلاف ہم کسی اور کی تفسیر کو قبول نہیں کریں گے۔پس ثابت ہوا کہ اس آیت سے مؤلف کے دعوی کے خلاف مردہ کا مٹی میں زندہ رہنا ثابت ہوتا ہے۔ غرض اس آیت سے بھی مؤلف کا دعویٰ قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ قبر میں زندگی نہیں ملتی اور پھر اس بناء فاسد پر مؤلف کا یہ دعویٰ کہ عذاب قبر کوئی چیز نہیں'' بناء الفاسد علی الفاسد'' کی قبیل سے ہے۔

ایک ضروری انتباہ

یہاں ایک ضروری بات کا عرض کرنا مناسب ہے؛ وہ یہ کہ انسان کے مٹی میں مل جانے،گل اور سڑ جانے سے،اس کا عالم برزخ میں معدوم اور بالکلیہ مردہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اور نہ یہ لازم آتا ہے،جیسے بہت سارے انسانوں کو جانور کھا جاتے ہیں،اور بعض جل کر خاک ہوجاتے ہیں،مگر اس کے باوجود اہل سنت کا اجماع ہے کہ ان کو برزخی وجود اور برزخی زندگی حاصل ہوتی ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ:

''یہ جان لینا بھی ضروری ہے کہ عذابِ قبر دراصل عذاب برزخ ہے؛ لہٰذا ہر وہ شخص جو مر گیا، اور وہ عذاب کا مستحق ہے، اس کو عذاب کا حصہ ضرور ملے گا، خواہ وہ قبر میں ہو یا نہ ہو۔ پس اگر اس کو درندوں نے کھالیا یا اس کو جلا دیا گیا جس سے وہ راکھ ہو گیا، اور اس کو ہوا میں اڑا دیا گیا یا اس کو سُولی دیدی گئی یا وہ سمندر میں غرق ہو گیا، تو ان سب صورتوں میں اس کی روح اور بدن کو عذاب ہوگا جیسا کہ قبور میں ہوتا ہے۔'' (۱)

رہی یہ بات کہ جب مردے کے اجزاء مٹی میں منتشر ہو گئے یا مثلاً جانور کے اجزاء بدن میں مل کر اس کا جزء ہو گئے تو اس کی طرف روح کیسے لوٹے گی اور عذاب کس طرح ہوگا؟ اس کے جواب سے قبل یہ ذہن میں رہے کہ احادیث صحیحہ روح کے بدن کی طرف لوٹنے پر نہایت صراحت ووضاحت سے دلالت کرتی ہیں، اس لیے ان کو تسلیم کرنا ہوگا۔ رہی اس کی عقلی توجیہ تو اولاً ایک مؤمن کے لیے احادیثِ صحیحہ، عقل سے زیادہ اطمینان کا باعث ہوتی ہیں، اس لیے اس کی ضرورت نہیں، پھر بحمدہ تعالیٰ اس کی توجیہ عقلاً بھی ذہن میں آ گئی، وہ یہ کہ ٹرانسسٹر (TRANSISTER) کو ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں خاص خاص مقامات سے نشر ہونے والے پروگراموں کو کسی بھی جگہ سے سنا جا سکتا ہے، جب کہ وہ خاص نمبر جو اس مقام کے اسٹیشن کے لیے موضوع ہے، لگا دیا گیا ہو۔ اور یہ دن رات کا مشاہدہ ہے کہ بلا کسی کمی زیادتی اور کسی بھی طرح کے فرق کے ہر جگہ سے وہ پروگرام سنا جا سکتا ہے۔

اس مثال میں غور کیجئے کہ ٹرانسسٹر کی ہزاروں کی تعداد جو مختلف لوگوں کے پاس ہے وہ منتشر ہے اور بلا کسی ظاہری واسطہ کے صرف نمبر ملانے سے ان ہزاروں

---

(۱) کتاب الروح: ۵۸

منتشر آلات میں وہی بات سنائی دیتی ہے جو خاص اسٹیشن سے نشر ہوتی ہے؛ بالکل اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان کے منتشر اعضاء کو منتشر رکھتے ہوئے بھی روح سے ہمکنار کرسکتا ہے، اور وہ ایک ہی روح تمام منتشر اعضاء میں زندگی کی ایک خاص کیفیت پیدا کردیتی ہے جس سے وہ منتشر اعضاء راحت یا تکلیف محسوس کرتے ہیں؛ جیسے ایک اسٹیشن سے نشر ہونے والے نشریہ کو ہم تمام منتشر ٹرانسسٹروں میں محسوس کرتے ہیں، پس جو انسان اس حیرت انگیز صنعت پر قادر ہو، اس کا خالق کیا اس سے محروم ہوگا؟ اور کیا انسان کے منتشر اعضاء میں روح ڈال کر عذاب وثواب دینے سے عاجز ہوگا؟

علامہ ابن القیم نے اسی کو فرمایا کہ: ''جن روحوں کے اجزاء منتشر ومتفرق ہوگئے ہوں، اس ذات پر جو ہر شی پر قدرت رکھتی ہے، مشکل نہیں ہے کہ ان متفرق اجزاء سے روح کا اتصال پیدا کردے، اگرچہ کہ ان میں دوری ہو۔ (۱)

پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان متفرق ومنتشر اجزاء کو جمع کردے اور اس سے ہم واقف نہ ہوں، اور ہم یہ سمجھ رہے ہوں کہ یہ گلگیا، سڑگیا، جل گیا؛ کیونکہ ہماری نظروں سے چلے جانے کے بعد وہ عالم برزخ کو پہنچ گیا، اور وہاں کے حالات وکوائف ہم سے پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ الغرض ان باتوں میں نہ کوئی ایسی بات ہے جو عقل کے خلاف ہے اور نہ ایسی جو خدا کی قدرت سے بعید ہو، لہٰذا ہم کو ان باتوں پر جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں، ایمان رکھنا ضروری ہے۔ اور سمجھ لینا چاہئے کہ عقل کے پیچھے پڑکر ایمان کا خطرہ مول لینا بڑا مہنگا ہے۔

حساب سے پہلے سزا کیا بے انصافی ہے؟

مؤلف ''شمع حقیقت'' نے مختلف جگہ اپنے مضمون میں اس خیال کا اظہار

(۱) کتاب الروح:۲:۷

کیاہے کہ قیامت میں حساب وکتاب سے پہلے، سزایا جزاء غیر اسلامی اورخلاف انصاف ہے۔

چنانچہ ایک جگہ لکھاہے کہ :''یہ اللہ کے انصاف سے بعید ہے کہ قبر میں بغیر حساب وکتاب کےعذاب دے''۔ایک جگہ لکھاہے کہ:

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ مردوں کواٹھائے گا،میدان حشر میں جمع کرے گااورحساب لے گا،پھر فیصلہ ہوگا کہ جنتی ہے یادوزخی''۔(۱)

مؤلف نے اپنے اس خیال ونظریے پرکوئی دلیل نہیں پیش کی ہے۔میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن حساب ہوگا،مگراس سے پہلے سزایاجزانہ ہوگی،اس دعوی پرقرآن میں کوئی دلیل نہ ملے گی، بلکہ متعدد آیات اس پردلالت کرتی ہے کہ قیامت سے قبل بھی انسان کوسزایاجزادی جاتی ہے؛ چند آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْعَنْ كَثِيْرٍ﴾ [الشوری:۳۰]

(اور جوتم کومصیبت پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کے کیے کابدلہ ہے،اوروہ (اللہ) بہت سے گناہ معاف کردیتا ہے)

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾[الروم:۴۱]

(خشکی اورتری میں لوگوں کے اعمال کےسبب فساد ظاہر ہوگیا،تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کامزہ ان کوچکھادے،تا کہ وہ بازآجائیں)

---

(۱) شمع حقیقت:۳۱۹

ایک قوم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

﴿كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰـهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَايَشْعُرُوْنَ فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْىَ فِىْ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُلَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر:۲۵-۲٦]

(ان سے پہلے لوگوں نے بھی تکذیب کی، لہذا ان پر عذاب اس طرح آیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا، پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیوی زندگی ہی میں رسوائی کا عذاب چکھادیا، اور آخرت کا عذاب اور بھی بڑا ہے، کاش یہ لوگ جان لیتے)

ایک جگہ کے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَـةً مُّطْمَئِنَّـةً يَّـاْتِيْـهَا رِزْقُـهَا رَغَداً مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْـعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ﴾ [النحل:۱۱۲]

(اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت بیان کرتے ہیں کہ وہ امن واطمینان میں تھے، ان کے کھانے پینے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں، پس ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی، پس اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حرکت پر ان کو بھوک (قحط) اور خوف کا مزہ چکھایا)

قوم عاد کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد ہے:

﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْىِ فِىْ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى﴾ [حٰمٓ سجدہ:۱٦]

(ہم نے ان پر ایک تند وتیز ہوا اِن دنوں میں بھیجی جو منحوس تھے تا کہ ان کو اس دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھادیں اور آخرت کا عذاب اور زیادہ رسوائی

کا سبب ہے)

نمونے کے لیے چند آیات پیش کی گئیں، جن میں صفائی کے ساتھ مذکور ہے کہ دنیا میں بھی انسان کو اس کے کرتوتوں اور بداعمالیوں کا بدلہ اور اس کی سزا دی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں قرآن مجید میں مذکورہ متعدد قوموں (قوم عاد، ثمود، اصحاب ایکہ، اصحاب الرس، قوم فرعون) کے احوال پڑھ کر دیکھ لیں، معلوم ہو جائے گا کہ دنیا میں ان سب کو کیسی کیسی سزائیں دی گئی ہیں۔

کیا مؤلف کے نزدیک خدا نے یہ سب کچھ جو کیا وہ ظلم وستم اور ناانصافی ہے؟ یا یہ کہ مؤلفِ روشن خیال کے نزدیک یہ آیات بھی من گھڑت افسانے ہیں؟

الغرض مؤلف کا یہ خیال کہ حساب سے پہلے سزا ناانصافی ہوگی، لہٰذا عذاب قبر کا عقیدہ صحیح نہیں، محض ایک بے ہودہ خیال ہے جس پر کوئی دلیل قرآن وحدیث سے نہیں دی جاسکتی؛ بلکہ اس خیال کے برخلاف قرآن وسنت کے دلائل پوری صراحت وکمال وضاحت سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ قیامت سے قبل، نہ صرف قبر میں بلکہ دنیا میں بھی انسانوں کو ان کے کیے کا بدلہ اور سزا دی جاتی ہے۔

جب دنیا میں سزا دی جاسکتی ہے تو قبر میں سزا دینا ناانصافی کیوں ہے؟ جب کہ دنیا تو دارالعمل ہے اور قبر آخرت کی منزل ہونے کی وجہ سے دارالجزاء ہے۔ دارالعمل میں سزا وجزاء ناانصافی نہیں تو دارالجزاء میں ناانصافی کیسے ہے؟ معلوم ہوا کہ مؤلف نے اسلامی عقائد کا مطالعہ کیے بغیر یا محض لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے یہ سب کچھ لکھ مارا ہے، جس کی کوئی اصل و بنیاد نہیں ہے، اب رہی یہ بات کہ پھر حساب وکتاب قیامت کے دن کیوں ہوگا؟ اور یہ کہ بغیر حساب کے سزا دینے کا جواز کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حساب وکتاب یہ ظاہر کرنے کے لیے ہوگا کہ

انسان کے حق میں دنیاوی زندگی اور اس کے بعد کے مراحل میں جو بھی خدائی فیصلے سزا یا جزاء کے پیش آئے ہیں اور جو آئندہ بھی ہوں گے وہ سب مبنی برحق وانصاف اور ظلم وناانصافی سے کوسوں دور ہیں۔

مولف ''شمع حقیقت'' کو ایک مشورہ

آخر میں نہایت دردمندی وخیر خواہی سے مؤلف ''شمع حقیقت'' قاضی محمد علی صاحب کو ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔ اور اس کا مجھے اس لیے زیادہ حق ہے کہ قاضی صاحب سے تین چار سال سے ہمارے برابر تعلقات رہے ہیں۔ قاضی صاحب بنگلور آتے ہیں تو احقر کے پاس ہی جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم میں قیام فرماتے ہیں اور راحت محسوس فرماتے ہیں۔ اس تعلق کا حق یہ ہے کہ میں ان سے چھوٹا ہونے کے باوجود نیک مشورہ پیش خدمت کروں۔

وہ یہ کہ کسی بھی مسئلہ پر غور وفکر کرنے کے لیے، پہلے اپنے دماغ کو خالی اور صاف کرلیں اور پھر اس سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کو پورے اطمینان سے ملاحظہ فرمائیں، نیز اس سے متعلقہ قرآن وحدیث کے دلائل پر پوری بصیرت حاصل کریں، اور یہ اچھی طرح ذہن میں رکھیں کہ قرآن کی تفسیر وتفہیم، تشریح وتوضیح، حدیث رسول وآثار صحابہ سے زیادہ معتبر کسی اور کی ہو نہیں سکتی، لہٰذا ان سے ہٹ کر قرآن فہمی سوائے گمراہی وبددینی کے کچھ نہیں، اس طرح جب کسی مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو امید ہے کہ گمراہی سے بچا جا سکے گا، ورنہ چند گمراہ لوگوں کی بے تکی بکواس کو لے کر (اگرچہ انہوں نے کچھ آیات واحادیث بھی پیش کی ہوں) کسی مسئلہ کو سمجھنا چاہیں تو سوائے اس کے کہ گمراہی قسمت میں آئے گی اور کچھ نہ ہوگا، امید ہے کہ مؤلف اس مشورہ کو خیر خواہی پر محمول کریں گے۔

حرف آخراوردعاء

اوپرکی تفصیلات وتوضیحات سے واضح ہوگیا کہ عذاب قبرکاعقیدہ،غیراسلامی نہیں ہے، بلکہ یہ قرآن وحدیث اوراجماع امت سے قطعی طور پرثابت ہے اوراہم ترین اسلامی عقیدہ ہے،اوراس کاانکارکرنے والاگمراہ وبددین ہے۔نیزاس سلسلے کی احادیث،متواترۃ المعنی ہیں جوقطعیت کافائدہ دیتی ہیں اوران پرقرآن سے متعارض ہونے یاعقل وبداہت کےخلاف ہونے کادعوی،بے بنیاداورمعترضین کی کم عقلی وکج فہمی کانتیجہ ہے۔

آخر میں اللہ سے دعا گوہوں کہ وہ اس تحریرکونافع ومفید خلائق بنائے اور میرے لے عذاب قبراورعذاب نار سے نجات کاذریعہ وسبب بنائے۔آمین ثم آمین۔

فقط

حررہ العبدمحمدشعیب اللہ خان عفی عنہ
ناظم جامعہ اسلامیہ مسیح العلوم،
بیدواڑی، بنگلور